یہ مضامین محض مخالفانہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں علمی و ادبی حیثیت ترقی پسند ادب کے نقائص اور مفاسد پر سنجیدہ نگاہ ڈالی گئی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کیجائے،

گردش از جناب مجنون گورکھپوری تقطیع اوسط ضخامت ۱۱۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲ پتہ، کتب خانہ علم و ادب دہلی،

کئی سال ہوئے مصنف نے یہ افسانہ اپنے رسالہ ایوان گورکھپور میں لکھا تھا، کتبخانہ علم و ادب نے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہی، یہ افسانہ مصنف کے دوسرے افسانوں کی طرح رومانی و قنوطی اور حزن و طرب کے مخلوط جذبات کا آئینہ ہی، اس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان کی تقدیر اوس کے اعمال و کردار میں، اور وہ اپنے اعمال و کردار کے اچھے برے نتائج کا خود ذمہ دار ہے، پورا افسانہ اسی مرکزی خیال کی دلچسپ اور سبق آموز تفسیر ہے، خیالات و تحریر میں مصنف کی پختگی نمایاں ہی لیکن اس میں جذبات کی وہ بے ساختگی اور دلکشی نہیں، جو ان کے بیشتر افسانوں میں پائی جاتی تھی، عمر کی رفتار کے ساتھ ساتھ عموماً فن میں تو زیادہ پختگی آجاتی ہے، لیکن فطری جوش و درد دلکشی کم ہوجاتی ہی، مصنف ایک خوش مذاق صاحب قلم ہیں کتاب کے انتساب میں معلوم نہیں انھوں نے اس خوش مذاقی پر کیوں داغ لگانا پسند کیا،

نغمۂ آتشیں مرتبہ جناب صباح الدین عمر صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، جلد خوبصورت، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- محکمۂ اطلاعات صوبہ متحدہ لکھنؤ،

موجودہ جنگ سے اگرچہ براہ راست ہندستان کا کوئی تعلق نہیں ہی، لیکن اوس کے عالمگیر اثرات سے وہ بھی محفوظ نہیں، بلکہ اپنی غربت و محکومی کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ ان کا شکار، اور اس کا ہر طبقہ اس کے نتائج سے متاثر ہے، یہاں کے شعراء نے بھی اس کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں، مرتب کتاب نے ان نالوں کو نغمۂ آتشیں کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض پرانی نظموں کا رخ بڑی خوبصورتی کے ساتھ موجودہ جنگ کی طرف پھیر دیا گیا ہی، اس مجموعہ میں ہر مسلک خیال کے شعراء کی نظمیں ہیں، جس سے جنگ کے متعلق مختلف طبقوں کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہی، اکثر شعراء کے فوٹو بھی دیدیے گئے ہیں، ان میں دو مسلمان خواتین بھی پراگندہ نقاب اپنے اسلحہ سے مسلح میدان رزم میں صف آرا نظر آتی ہیں،

"م"

جلد ۵۳ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

زمانہ کے عام اقتصادی حالات اور بعض مستقل آمدنیوں کے رُک جانے کی وجہ سے ادھر کچھ دنوں سے دارالعلوم ندوہ کی مالی حالت بہت ناقابل اطمینان ہوگئی تھی، بڑی مشکل سے اخراجات چلتے تھے، ندوہ کے دوسرے صیغوں کی مد سے کئی ہزار کا قرض دارالعلوم پر ہوگیا تھا، ان حالات میں اس کی دستگیری کے لئے کارکنوں کی نگاہ اسی اسلامی ریاست کی طرف اٹھی جو ہندوستان کے تمام اسلامی اداروں کا ملجا و ماویٰ ہے، اور جیسا کہ اس سرکار کی علم نوازی سے توقع تھی، بارگاہِ سلطانی سے ندوہ کی سابق تین سو ماہانہ امداد میں مزید تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہوا، اور متفرق قرضوں کی ادائیگی کے لئے پندرہ ہزار نقد کی اُمید دلائی گئی، یقین ہے کہ عام مسلمان اور تمام وابستگانِ ندوہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کی اس دین پروری اور علم نوازی کے منت پذیر و سپاس گذار ہوں گے، اس شاہانہ امداد کے علاوہ حیدرآباد کے اصحاب خیر سے آٹھ ہزار نقد چندہ وصول ہوا، اور ابھی کچھ وعدے ہیں، جن کے انشاء اللہ جلد پورے ہونے کی توقع ہے، اللہ تعالیٰ ان محسنین کو اس کار خیر کا صلہ عطا فرمائے، اس گرانقدر امداد سے ندوہ کو فی الجملہ بڑی تقویت حاصل ہوگئی۔

* * *

چند دن ہوئے علی گڈہ میں "اسلامی جماعت" کے نام سے ایک نئی مجلس کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے، اس مجلس کا مقصد مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح اور اسلامی شعائر کی پابندی کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کا احیاء ہے، حال میں مجلس کے کارکنوں کی جانب سے اس کے اغراض و مقاصد اور اس کا نظام عمل شائع ہوا ہے، اس سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اب کارکنوں نے عملی قدم اٹھایا ہے اور وہ ہر صوبہ میں مجلس کی شاخیں قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ ارادہ نہایت

مبارک ہے، لیکن اس قسم کی تحریکیں عموماً آل انڈیا بننے کے بعد بے نتیجہ ہو جاتی ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس تحریک کا بھی یہی انجام ہو، اس لئے اگر مجلس مذکور اس وسیع دائرۂ عمل میں اپنی زیادہ توجہ مسلم یونیورسٹی پر صرف کرے تو یہ سارے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت سے کم مفید نہ ہوگا، یونیورسٹی مسلمانوں کا مرکزی تعلیمی ادارہ ہے جس میں ہندوستان کے ہر حصہ کے نوجوان طلبہ و اہل علم و صاحب دماغ فضلاء کا اجتماع ہے، اگر اس کے اساتذہ اور طلبہ میں صحیح اسلامی روح پیدا ہو جائے اور وہ یہاں سے مذہبی اثرات لیکر نکلیں تو ان کے ذریعہ خود بخود یہ چیز سارے ہندوستان میں پھیل جائے گی، لیکن اصلی سوال عملی کوشش کا ہے، اس قسم کی مجالس کے قیام سے اتنا تو بہرحال اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہوا کا رُخ بدل گیا ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی مسلمانوں کی اصلی اور صحیح اصلاح کا احساس پیدا ہوگیا ہے جو امید ہے کہ آیندہ چل کر کوئی مفید صورت بھی اختیار کرے،

* * *

آل انڈیا مسلم ہسٹری کانگریس کا پہلا اجلاس گذشتہ سال لاہور میں منعقد ہوا تھا، دوسرا اجلاس ۷-۸-۹ اپریل کو اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہو رہا ہے، امید ہے کہ یہ اجلاس کامیاب ہوگا اور ہندوستان کے اہل علم اور فضلاء اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پڑھیں گے، اس اجلاس میں ترکوں کی تاریخ کی ترتیب کے مسئلہ پر بھی غور ہوگا، گو اس کانفرنس کا دائرۂ عمل وسیع ہے اور اس میں ہندوستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ملکوں کی بھی تاریخ آجاتی ہے، لیکن سب سے مقدم کام ہندوستان کی تاریخ کی تدوین کا ہے، ترکوں کی تاریخ کی تدوین کا فرض کفایہ ایک حد تک دار المصنفین نے ادا کردیا ہے اور دولت عثمانیہ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں ترکی کی تاریخ یہاں سے شائع ہو چکی ہے، جدید ترکی پر تیسری جلد زیر ترتیب ہے،

حال میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے حدیث کی دو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں، ایک

حافظ یعقوب بن اسحاق المعروف بہ ابی عوانہ المتوفی ۳۱۶ھ کی مشہور مسند کا پہلا حصہ، دوسری حافظ ابوبکر محمد بن حسن المعروف بہ ابن فورک المتوفی ۴۰۶ھ کی "کتاب مشکل الحدیث و بیانہ" مسند کا یہ حصہ کتاب الصلوٰۃ تک ہے، حافظ ابن فورک بہ یک واسطہ امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد اور چوتھی صدی کے نامور اصولی فقیہ اور اشعری متکلم تھے، اس کتاب میں اشعری نقطۂ نظر سے ان احادیث کی تاویل و تشریح کی گئی ہے جن کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق تشبیہ و تجسم کا گمان ہو سکتا ہے، اس پہلو سے یہ کتاب اہم ہے،
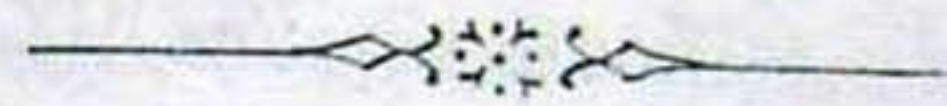
اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر مسرت ہوئی کہ اردو انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد جو حیدرآباد میں زیر ترتیب تھی، پریس میں چلی گئی، اس اہم کام کی توقع حیدرآباد ہی سے ہو سکتی تھی، حیدرآباد کے اہل علم نے اردو بولنے والوں کی جانب سے یہ بڑا فرض ادا کیا، لیکن اصل چیز انسائیکلوپیڈیا کی معنوی حیثیت ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ علمی معیار پر کہاں تک پوری اترتی ہے، اس کے فاضل مرتبوں سے توقع اسی کی ہے کہ معلومات اور تحقیق دونوں کا معیار بلند ہوگا،
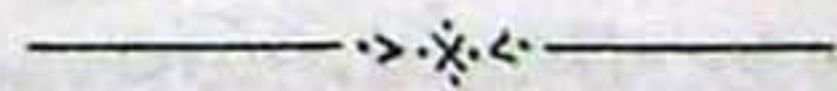
مشہور انگریز مستشرق پروفیسر فلپ کے ہٹی کی قابل قدر تالیف "ہسٹری آف دی عربز" تاریخ اسلام پر جامع اور محققانہ کتاب ہے، عام یورپین مورخین کے برعکس مصنف نے اس کتاب میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو بڑی حد تک صحیح نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان کے علمی و تمدنی کارناموں پر عالمانہ تبصرہ کیا ہے، یہ کتاب اپنی جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، ہم کو خواجہ عبدالوحید صاحب سکریٹری اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کے خط سے معلوم ہوا کہ انسٹی ٹیوٹ مذکور نے اس کام کو انجام دیا ہے، ترجمہ پورا ہو چکا ہے، امید ہے کہ جلد ہی شائع ہوگا، اسکی اشاعت سے تاریخ اسلام کے متعلق اردو میں ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوگا،

مقالات

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

" مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کے مفید اور پُر از معلومات مضمون اسلامی معاشیات کا جو سلسلہ معارف مین نکلا تھا، اوس کے بعض ضروری اجزا باقی رہ گئے تھے،

یہ مضمون رسالہ سیاست حیدرآباد مین شائع ہو چکا ہے، لیکن یہ اس سلسلہ کی ایک ضروری کڑی ہے نیز اس کی افادی حیثیت اس کی متقاضی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کیجائے، اس لئے اس کو رسالہ سیاست سے نقل کیا جاتا ہے"۔

" م "

مجلہ تحقیقات علمیہ ۱۹۴۰ء مین "حکومت کی آمدنی" کے عنوان سے خاکسار کا جو مقالہ شائع ہو چکا ہے، میری جس کتاب کا وہ ایک حصہ تھا، اسی کے بعض دوسرے حصص کو اب "سیاست" مین ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب پروفیسر تاریخ جامعۂ عثمانیہ کی فرمایش پر شائع ہونے کے لئے دے رہا ہون، مجلہ مین جو حصہ شائع ہوا ہے، اس کے متعلق

یہی مین نے لکھا تھا اور پھر اسی کو دہرانا چاہتا ہون کہ دراصل میری چند یادداشتون کا یہ مجموعہ ہے، کامل استیعاب اور احاطہ کی کوشش نہین کی گئی ہے، مقصود صرف یہ ہے کہ "اسلامی معاشیات" کے متعلق جو حضرات کام کرنا چاہتے ہین ان کے سامنے فقہ کی کتابون مین جو مواد پایا جاتا ہے، وہ پیش کر دیا جائے، جیسے جیسے موقع ملتا چلا جائے گا، اور فرصت میسر ہوگی، بتدریج دوسری چیزین بھی آپکے سامنے آتی رہین گی،

اس موقع پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہون کہ "اسلامی معاشیات" اور مسلمانون کے معاشیات مین جو فرق ہے کام کرنے والون کو چاہئے کہ اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھین، اس قسم کی قومین جن کے پاس اپنے مذہبی وثائق کا کوئی مکمل اور غیر مشتبہ ذخیرہ نہین ہے، وہ تو مجبور ہین کہ اپنے ہم مذہب مفکرین کے خیالات وآراء کو بھی اپنے مذہب ہی کی طرف منسوب کرکے پیش کرین، لیکن مسلمانون کو اسمین فرق کرنا چاہئے' اسلام نے جو نظام زندگی پیش کیا ہے اس کا سرچشمہ کتاب وسنت واجماع ہے، فقہی مسائل اسلام کے ان ہی اساسی مستندات سے ماخوذ ہین، باقی تیرہ سو سال مین دنیا کے مختلف حصون مین بجائے خود مسلمان مفکرین نے زندگی کے مختلف پہلوؤن کے متعلق جو کچھ سوچا سمجھا، یا اپنی کتابون مین انھین درج کیا ہے، وہ مسلمانون کی چیز تو کہلا سکتی ہے، لیکن غلط بیانی ہوگی اگر ان کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے، اس وقت جو چیز آپکے سامنے پیش ہو رہی ہے، اس کا براہ راست تعلق اسلام سے ہے، مسلمان مفکرین کے آراء ونظریات کو مین نے الگ جمع کیا ہے، جو اس سے بالکل جداگانہ چیز ہے،

(مناظر احسن گیلانی)

صحاح کی مشہور حدیث ہے کہ بندے قیامت کے دن اُس وقت تک اپنی ٹانگون پر کھڑے رہین گے جب تک کہ چار باتون کے جواب سے فارغ نہ ہو لین، ان ہی چارگانہ سوالات مین ایک بڑا اہم سوال یہ بھی ہوگا کہ

عن ماله من این اکتسبه وفیم انفقه، | ترجمہ | آدمی سے پوچھا جائے گا اپنے مال سے یعنی اس مال کو کن ذرائع سے اس نے حاصل کیا اور کن راہون مین

سچ پوچھئے تو معاشیات کے قانونی یا فقہی مسائل کا تعلق ان ہی دو باتون سے ہے، دوسرے لفظون مین یون خیال کیجئے کہ دولت کے دخل وخرچ کے متعلق اسلام نے مسلمانون کو جو عملی ضابطہ دیا ہے، اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل پیش ہوگی، دولت عباسیہ کے پہلے قاضی القضاۃ "قاضی ابو یوسف" نے بھی اپنی مشہور سیاسی ومعاشی کتاب "کتاب الخراج" جو خلیفہ ہارون الرشید کی فرمایش سے لکھی گئی ہے، اس مین بھی قاضی صاحب نے تمہید کلام مین اسی حدیث کو اسلامی معاشیات کی بُنیاد قرار دیا ہے،

اس "معاشی ضابطہ" کے اساسی قوانین کو پیش نظر رکھ کر فقہائے اسلام رحمہم اللہ اجمعین نے جزئیات کے متعلق دفتر کے دفتر جو تیار کر دیئے ہین، ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب مین ان سب کا احاطہ ناممکن ہے، تاہم مین کوشش کرون گا کہ ایک خاص ترتیب سے اس سلسلہ کے اہم مسائل کو اپنی اپنی جگہ پر درج کر دون، ہو سکتا ہے کہ راہ بن جانے کے بعد آیندہ کام کرنے والے اس پر اور اضافہ کرین،

معاشیات کے دو اسکول

پہلا اسکول

واقعہ یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے سوا خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے بنی آدم مین ایک طبقہ ان لوگون کا پایا گیا ہے، جو مالیات یا تحصیل دولت وصرف دولت دونون کو ہر قسم کی اخلاقی ومذہبی پابندیون سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے، "کمانا چاہئے" خواہ کسی ذریعہ سے ہو، "اڑانا چاہئے" خواہ خرچ کی جو راہین بھی ہون،

اس سلسلہ مین یہان تک دیکھا گیا ہے اور اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ جن کی زندگی بظاہر دینی اور شرعی ہوتی ہے یعنی نماز، روزہ، درود ووظائف، حج وقربانی، ان تمام امور کے وہ پابند ہوتے ہین، لیکن یہی لوگ جو اس قسم کی مذہبی پابندیون کو اپنے لئے لازم سمجھتے ہین، مالیات کے مسئلہ مین ہر قسم کی بے قیدیون کا دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہین، اس مکتب خیال یا مسلک عمل کا تذکرہ قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ذکر مین کیا ہے یعنی حضرت شعیبؑ نے جب ان پر معاشی قوانین کی پابندیون کو عائد کرنا چاہا تو ان کو جواب دیا گیا کہ

قالوا یاشعیب اصلوٰتک تامرک ان نترک مایعبد اٰباؤنا اوان نفعل فی اموالنا مانشاءُ،

اونھون نے کہا شعیب! کیا تمھاری نماز ین یہ بھی حکم کرتی ہین کہ جن معبودون کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انھین ہم چھوڑ بیٹھین اور یہ کہ ہم اپنے اموال (دولت) کے متعلق جو چاہین کرین (اس مین وہ رکاوٹ پیدا ہو)

صرف یہی نہین بلکہ قوم شعیب کے معاشی ماہرین نے ان کے طرز عمل پر اظہار تعجب کیا، اور ان کی عقل و فہم جس کا انھیں ایک مدت سے تجربہ تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان روشن خیالون نے طنز کے لہجہ مین کہا کہ

انک انت الحلیم الرشید

تم تو بڑے بھاری بھرکم باوقار سوجھ بوجھ کے آدمی ہو،

بہرحال معاشیات کا یہ تو ایک آزاد مکتب خیال ہے تحصیل دولت کے ذرائع پر بظاہر ان کے نزدیک کسی قسم کی قید عائد کرنا سوجھ بوجھ عقل و دانائی کے خلاف ہے، بلکہ جس کو جس وقت جس ذریعہ سے بھی حصول دولت کا موقع ملے، بدعقلی ہو گی کہ اوس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، یا دوبیہ رہتے ہوئے اپنی خواہش خواہ جس بات کی ہو، آدمی پوری نہ کرے، قرآن نے جن الفاظ مین ان کے اس معاشی نظریہ کا ذکر کیا ہے، اوس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب جو عموماً لوگون کے خیال مین پوجا پاٹ یا صلوٰۃ مین منحصر ہے، معاشی کاروبار مین اس کی دخل اندازیون کو وہ ناپسند کرتے تھے، اسی لئے اونھون نے کہا کہ تمھاری نماز ین کیا اسے بھی روکتی ہین کہ ہم اپنے اموال کے متعلق جو چاہین کرین،

دوسرا مکتب خیال

اسی کے مقابلہ مین معاشیات ہی کا ایک دوسرا اسکول بھی ہے، جو دوسرے پہلوؤن کی طرح انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو بھی چند خاص حدود مین رکھنا چاہتا ہے، یعنی وہی بات جو حدیث مین آئی کہ

من این اکتسبہ وفیما انفقہ

کہان سے کمایا اور کس راہ مین خرچ کیا،

دونون پر نگرانی قائم کرنا چاہتا ہے، تقریباً ہر زمانے مین اس طبقہ کی بھی کمی نہین رہی ہے، عملی طور پر خواہ اس اصول کے ماننے والون کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن نظری حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اکثریت کم از کم زبان سے اس

نگرانی کی ہمیشہ حامی رہی ہے، اسی لئے چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، دھوکا وغیرہ ذرائع کسب کو اچھی سوسائٹیون مین ہمیشہ بری نظرون سے دیکھا گیا ہے، غالباً اسی بنا پر دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک مین حدبندی عائد کرنے والے معاشی قوانین پائے جاتے ہین، اسلام کا تعلق بھی ثانی الذکر طبقہ سے ہے، اور اس وقت مین انہی پابندیون کی کلی حیثیت سے تفصیل کرنا چاہتا ہون، جو ان دونون امور یعنی "من این اکتسبہ" یا دوسرے لفظون مین "دخل" اور "فیما انفقہ" یا خرچ پر اسلام نے عائد کئے ہین، دونون سوالون پر دو مستقل عنوانون کے نیچے بحث کی جائے گی،

دخل

دخل یعنی مال و دولت کے کمانے اور ان سے استفادہ کے ذرائع پر اسلام نے جو قیود عاید کئے ہین، اسکی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چاہئے کہ اجمالاً پہلے دنیا کی چیزون کی اس تقسیم کو سمجھ لیا جائے جو معاشی حیثیت سے اسلام مین اختیار کی گئی ہے،

اسلام مین اشیاء کی معاشی تقسیم

واقعہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابون مین اگرچہ مالی مسائل کو مختلف ابواب کے ذیل مین منتشر کرکے بیان کیا گیا ہے، لیکن تمام ابواب کے مسائل کو پیش نظر رکھکر منطقی طریقہ سے چاہین تو ہم اُن کو یون تقسیم کر سکتے ہین یعنی ان چیزون کا بنی آدم مین کوئی مالک ہے یا نہین، اگر مالک نہیں ہے، تو قبضہ کرنے کے بعد بھی آدمی اون کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جن چیزون کا کوئی مالک ہے، ان کی بھی دو صورتین ہین، مالک کی مرضی کے بغیر اسلام ان پر دوسرون کو قبضہ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہین، اگر دیتا ہے تو اس کی کتنی صورتین ہین، اور نہین دیتا ہے، تو پھر ان چیزون کے مالک ہونے کے قانونی ذرائع کیا ہین، اور اسلام ان قانونی پابندیون کو ان چیزون کے مالک ہونے کے لئے کیون ضروری قرار دیتا ہے، چونکہ ان تمام منطقی شقون کے نیچے کچھ نہ کچھ چیزین داخل ہین، اس لئے مین ہر ایک پر الگ الگ بحث کرتا ہون،

ایسی چیزین جن کا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مالک نہین، ہدایہ مین ہے:-

الانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس والقمر والھواء،

سمندر و دریا کے پانی سے استفادہ کی نوعیت وہی ہے جو آفتاب ماہتاب اور ہوا سے استفادہ کا حکم ہے،

(کتاب الشرب، ج ۴) (یعنی ہر شخص کو ان سے استفادہ کا عام حق حاصل ہو)

جس سے معلوم ہوا کہ سمندر دریا وغیرہ اور ان کا پانی اور آفتاب ماہتاب وغیرہ اور ان کی روشنی اسی طرح ہوا اور فضا کا کوئی مالک نہین ہے، اسی طرح ہوا کے پرندے جنگل کے جانور اور سمندر کے حیوانات ان سب کا بھی کوئی مالک نہین ہے، اور یہی حال جنگل، پہاڑ وغیرہ کے درختون اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی مالک ہو، اور نہ ان کے پھلون کا، بلکہ ہر شخص کے لئے وہ شرعاً مباح اور جائز ہین، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین اخروٹ، بادام وغیرہ کے خودرو جنگلی درختون اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اذا کان فی المفاوز والجبال علی الاشجار	جب یہ چیزین صحرا اور پہاڑون مین درختون
او فی الکھوف فلا شئی فیہ وھو	مین یا پہاڑ کے غار مین ہون تو ان پر کچھ نہیں
بمنزلۃ الثمار تکون فی الجبال والاودیۃ	(یعنی حکومت کوئی محصول عائد نہین کر سکتی) اور
	ان کا حال ان پھلوں کا ہے جو پہاڑوں اور

باقی اراضی یعنی زمین کی بھی اسلام مین چند قسمیں ہین، صاحب بدائع نے ان اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے،

والارض فی الاصل نوعان مملوکۃ و	زمین کی دراصل دو قسمین ہین، زمین جو کسی کی ملک ہو
الارض مباحۃ غیر مملوکۃ والمملوکۃ	ایک قسم دوسری قسم مباح یعنی کسی کی ملکیت مین نہ ہو،
نوعان عامرۃ وخراب والمباحۃ	پھر جو زمین کسی کی ملک ہو اس کی بھی دو قسمین ہین،
ایضاً نوعان نوع ھو من مرافق	آباد اور غیر آباد، اسی طرح غیر مملوکہ مباح زمین
البلد لا محتطبا لھم ومرعی مواشیھم	کی بھی دو قسمیں ہین، ایک وہ جس کا شمار بلد (آبادی)
ونوع لیس من مرافقھا وھو المسمی	کی سہولت آفرینیون سے ہو، مثلاً لکڑی حاصل
بالموات،	کرنے کی جگہ ہے، مویشیون کی چراگاہ ہو، اور دوسری
	وہ جس کا شمار مرافق سہولت آفرین خطہ سے نہ ہو،

جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمین غیر مملوک بھی ہوتی ہین، اور ظاہر ہے کہ جب ان پر کسی کا قبضہ نہین تو ان کے مملوک ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہین، سوال اس کے بعد ہوتا ہے کہ ان چیزون کی تملیک کی کیا شکل ہے، عام طور سے ان چیزون کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے، جو عموماً دنیا مین مروج ہے ابو داؤد مین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے،

من سبق الی مالم یسبق الیہ مسلم	جس پر کسی مسلمان کا پہلے قبضہ نہ ہو جو پہلی دفعہ
فھو احق بہ،	قبضہ کرے گا وہی اس کا زیادہ حقدار ہے،

فقہاء نے اس حدیث کی بنا پر یہ قانون پیدا کیا، جیسا کہ ہدایہ مین ہے،

مَنْ سَبَقَتْ یَدُہٗ اِلَیْہِ فِی	یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہوگا وہی اس
مِلْکِہٖ،	کا مالک ہو جاتا ہے،

مثلاً کہتے ہین کہ

مَنْ احتطب فی مفازۃ فھو لہٗ ومن	جنگل مین جو لکڑی کاٹ لے اور شکار کو جو شکار
اصطاد صیداً فھو لہٗ	کرے وہ اسی کا ہوگا،

لیکن باوجود اس عام قانون کے چند چیزین ایسی ہین جن کو اسلام مین بعض خاص شرائط کے ساتھ اس قانون سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، میرا مطلب یہ ہو کہ ایسی چیزین جن پر کسی کا قبضہ ہی نہین ہو سکتا، اور ان کو وہ اپنی حفاظت میں نہیں لے سکتا، مثلاً آفتاب و ماہتاب ہوا وغیرہ ان کا تو ظاہر ہی ہے کہ آدمی مالک نہین ہو سکتا، ہدایہ مین ہے کہ

الانتفاع بالشمس والقمر والھواء	آفتاب ماہتاب ہوا سے فائدہ اٹھانے سے کوئی
فلا یمنع من الانتفاع بہ علی ای	روکا نہیں جا سکتا، جس طرح چاہے ان سے
وجہ شاء،	استفادہ کر سکتا ہے،

اسی بنا پر فقہاء کا یہ مسئلہ ہے کہ دو منزلہ مکان کی نچلی منزل کا کوئی اگر مالک ہو اور اوپر والی منزل کا کوئی اور، پھر اوپر والی منزل گر جائے تو اس فضا یا ہوا کو جس مین یا اوپر والی منزل تھی، اس کو کوئی بیچ نہین سکتا، ابن ہمام نے اس کی وجہ فتح القدیر مین یہ لکھی ہو کہ مکان کو بلند کرنے کا جو حق اس کو حاصل تھا وہ

حق متعلق بالهواء وليس الهواء مالاً يباع (ص ۲۰۴ مطبوعہ مصر ج ۵)

ایک ایسا حق ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہے، اور ہوا کوئی مال نہین ہے، جسے بیچا جائے،

اشتراکی سرمایہ پانی، آگ، گھاس

لیکن علاوہ ان چیزون کے اور بھی چند امور ہین جن پر خواہ کسی کا قبضہ ہی کیون نہ ہو جائے، لیکن عام مفاد کے لئے اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ انفرادی طور پر قانوناً کوئی ان کا مالک نہین ہو سکتا، بلکہ انھین عام پبلک پراپرٹی قرار دینا چاہتا ہے، اس سلسلہ مین عموماً کتابون مین اگرچہ تین ہی چیزون کا تذکرہ کیا جاتا ہو یعنی مشہور حدیث ہی،

الناس شركاء في الماء والكلاء والنار (صحاح)

لوگ تین چیزون میں ایک دوسرے کے ساتھی اور شریک ہین، یعنی الماء (پانی)، الکلاء (گھاس) النار (آگ) ہین،

اسی حدیث کی بنا پر پانی، گھاس، آگ "مین الناس" یعنی عام پبلک شریک سمجھی جاتی ہے،

اشتراکی سرمایہ کے ملحقات

لیکن صرف انہی تین چیزون تک اشتراک کے قانون کو محدود سمجھنا صحیح نہین ہے بلکہ اس ذیل مین اور بھی ایسی چیزین ہین جن کو انفرادی ملک قرار دینے کی صورت مین اندیشہ ہے کہ

ان ملكه احد بالاحتجاز ملك منعه فضاق على الناس فان اخذ العوض عنه اغلاه لا يخرج عن الموضع الذي وضعه الله من تعميمه ذوي الحوائج

اگر احاطہ بندی کر کے کوئی اس کا مالک ہو جائیگا تو لوگون کو اس سے روکے گا اور عوام ضیق تنگی مین مبتلا ہو جائین گے، اور اگر اس کا معاوضہ لے گا تو اسے گران کر دیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

من غير كلفة المشقة، (ص ۱۵۷ - ج ۶)

حق تعالیٰ نے جس غرض کے لئے اس چیز کو جو مقام عطا کیا تھا، وہان سے وہ چیز ہٹ جائیگی یعنی عام حاجتمندون کی ضرورت بغیر کسی کلفت و مشقت کے پوری ہو یہ بات جاتی رہے گی؛

اسی لئے علامہ ابن خذامہ نے اس سلسلہ مین حسب ذیل چیزون کا اضافہ کیا ہے،

المعادن الظاهرة وهي اللتي يوصل ما فيها من غير مؤنة ينتابها الناس وينتفعون بها كالملح والماء والكبريت والقير والموميا والنفط والكحل والياقوت ومقاطع الطين واشباه ذلك،

ظاہری معادن ان کو کہتے ہین جن تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی حاصل ہو سکے لوگون کی اس پر آمد و رفت جاری ہو، اور لوگ اس سے نفع اوٹھاتے ہون مثلاً نمک گندھک پچ (ڈامر) مومیا، نفط (مٹی کا تیل) سرمہ یاقوت یا مٹی نکالنے کی جگہ ہو،

علامہ لکھتے ہین کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ چیزین

لا تملك بالاحياء ولا يجوز اقطاعها لاحد من الناس ولا احتجازها دون المسلمين لان فيه ضرراً بالمسلمين وتضييقاً عليهم،

نہ آباد کرنے اور حکومت سے جاگیر ملنے کی وجہ سے ان امور کا کوئی مالک ہوتا ہے، اور نہ یہ جائز ہے کہ عام مسلمانون پر اس سے استفادہ کی راہ بند کی جائے، کیونکہ اس سے مسلمانون کو نقصان پہونچے گا، اور ان پر تنگی ہو گی،

فقہاء نے اس قانون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو ابو داؤد و ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ابیض بن حمال نامی صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست

(یمن) کے ایک کھاری چشمہ کو بطور جاگیر کے عطا فرمادیا، لیکن سند لے کر جب وہ روانہ ہوئے تو لوگون نے عرض کیا کہ حضورؐ نے خیال نہین فرمایا کہ اس شخص کو جاگیر مین کیا چیز عطا فرمادی گئی، وہ تو ایک نہ ختم ہونے والا جاری چشمہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا "فلا اذن" یعنی جب وہ ایسا چشمہ ہے تو پھر وہ جاگیر مین نہیں دیا جا سکتا، اسی لئے فقہا نے یہ طے کر دیا ہے کہ حکومت اس قسم کی چیزین کسی کو جاگیر مین بھی دے، جب بھی وہ کسی کی جاگیر نہین بنے گی، اور وہ ہر حال مین پبلک جائداد ہی رہے گی،

علاوہ ان معادن کے فقہا، نے انھین مصالح کی بنا پر لکھا ہے کہ

لیس للامام ان یقطع ما لا غنی للمسلمین عنه یعنی اذا کانت اجمة او غیضة او بحر یستقون منه او مملحة لاهل بلدة فلیس للامام ان یقطع ذلک لاحد،

(عنایہ برحاشیہ ہدایہ ج ۴ ص ۳۸۲)

ایسی چیزین جن سے عموماً مسلمان بے نیاز نہین ہوسکتا، یعنی ان کی عام ضرورت کی چیزین ہون تو حکومت کو حق نہین ہے کہ کسی خاص آدمی کی جاگیر مین ان کو دے دے مثلاً کوئی اجمہ (آبی نیستان) ہو یا جنگل ہو، یا دریا ہو جس سے پانی پیتے ہون یا نمک بنانے کی جگہ کسی خاص آبادی کی ہو، جائز نہ ہوگا کہ امام کسی کو یہ چیزین جاگیر مین دے

اسی طرح آبادی کی چراگاہین یا اردگرد کی جھاڑیاں جن سے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہین یا آبادی کے اطراف کی ایسی زمینین جن پر کھلیان وغیرہ لگاتے ہین، اور ان کا کوئی مالک نہ ہو تو فقہا نے لکھا ہے،

ما کان خارج البلد من مرافقها ومحتطبا لاهلها ومرعی لهم لا یکون مواتا حتی لا یملک الامام اقطاعها.

آبادی سے باہر جو سہولت کی چیزین ہون اور باشندون کو لکڑی حاصل کرنے کی جگہ ہو تو یہ ساری چیزین موات (یعنی ایسی زمین نہین ہوسکتی ہین جنھین آباد کرکے کوئی ان کو ذاتی ملک بنا سکتا ہو) اور نہ امام (حکومت) [illegible]

زیلعی نے اس دفعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :-

فناء العامر فینتفعون به لانهم محتاجون الیه لرعی مواشیهم وطرح حصائدهم فلم یکن انقطاعهم منقطعا عنه ظاهرا فلا یکون مواتا

(زیلعی بر ہدایہ ج ۴ ص ۳۸۰)

آبادی کے اطراف واکناف کی زمین کا بھی یہی حکم ہے، کہ عام لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہین لوگ اپنی مویشیون کے چرانے کے لئے اور کھلیان لگانے کے لئے اس کے محتاج ہین، اور اس زمین سے استفادہ کا جو حق ہے، وہ اس قسم کی زمینون سے منقطع نہین ہوسکتا، اس لئے اس کا الموات (آباد کرکے آدمی جس کا مالک ہوسکتا ہو) اس مین شمار نہین ہوسکتا،

اسلام نے جب ان چیزون مین انفرادی ملک کو ناجائز ٹھہرایا ہے، تو ظاہر ہے کہ شاہراہ عام یا عام پبلک کے ذرائع جنھیں یون بھی پبلک کی ملک خیال کیا جاتا ہے، ان مین انفرادی ملک کو کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے، فقہ کی کتابون مین اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ جس طرح مندرجہ بالا امور کو حکومت کسی کی انفرادی ملک نہین قرار دے سکتی اسی طرح

لا اقطاع کشارع الماء وطرقات المسلمین،

(ابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۸)

جائز نہ ہوگا کہ پانی کے خزانون اور مسلمانون کی عام شاہراہون کو حکومت کسی کی جاگیر مین دیدے،

نہ حکومت دے سکتی ہے، اور نہ آبادی کے باشندے ان پر قبضہ کرکے اپنی ملک بنا سکتے ہین، کفایہ شرح ہدایہ مین ہے :-

ولکن لا یجوز احیاء ما تعلق به حق

یون ہی آباد کرکے قبضہ کرنے کی اجازت ان

العامة كما في النهر والطريق،

(ج ۶ ص ۱۹۲)

چیزوں کے متعلق بھی نہیں دیجا سکتی، جن کے ساتھ عوام کا حق متعلق ہو، مثلاً نہر اور راستہ کا جو حکم ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، آگ، گھاس، اور ایسے معادن جن کی پیداوار کے حاصل کرنے میں کسی محنت و مشقت، جد وجہد اور مصارف کی ضرورت نہیں ہوتی، اور عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ان سے برآمد ہوتی ہوں، آبادی کی چراگاہیں، جنگل جھاڑ، جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس میں آباد کار اپنی زرعی کاروبار کرتے ہوں، مثلاً کھلیان وغیرہ لگاتے ہوں، یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزیں نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے، اور نہ قبضہ کرکے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا ہے، اگر کوئی قبضہ بھی کرے گا تو قانوناً غلط ہوگا، اور ہمیشہ یہ پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اشتراکی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے، لیکن فقہاء نے ان کی مختلف قسموں پر غور کیا ہے، اور بعض چیزوں کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی انھوں نے چار قسمیں قرار دی ہیں، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

پانی کی مختلف قسمیں اور ان کے مختلف احکام

صاحب بدائع لکھتے ہیں :۔

المياه اربعة انواع الاول الماء الذي يكون في الاواني والظروف والثاني الذي يكون في الآبار والحياض والعيون الثالث ماء الانهار الصغار اللتي تكون لاقوام مخصوصين والرابع ماء الانهار

پانی کی چار قسمیں ہیں، پہلی قسم پانی کی وہ ہے جو برتنوں اور ظروف میں ہو، دوسری قسم وہ ہے جو کوؤں اور حوضوں اور چشموں میں ہو، تیسری قسم وہ ہے جو ان چھوٹے دریاؤں اور ندیوں میں ہو جن کا تعلق خاص خاص قوموں سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑے بڑے دریا، جیسے

العظام كجيحون وسيحون ودجله والفرات

جیحون اور سیحون، دجلہ و فرات وغیرہ میں ہو،

بڑے بڑے دریا کا پانی

پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے، کہ جو پانی بڑے بڑے دریا مثلاً جیحون، سیحون یا ہندوستان میں گنگا جمنا، کرشنا گوداوری کا ہے، یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے ہر شخص کو اس سے خود پینے کا جانوروں کو پلانے کا اور کھیتوں باغوں کے سینچنے کا قانونی حق ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں

الانهار العظام كسيحون وجيحون ودجلة والفرات ونحوها فلا ملك لاحد فيها ولا في رقبة النهر ولا لاحد حق خاص فيها ولا في الشرب بل هو حق عامة المسلمين. فلكل احد ان ينتفع بهذه الانهار بالشفة والسقي،

بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیحون دجلہ و فرات اور اسی قسم کے جو دریا ہیں، یہ کسی کی ذاتی ملک نہیں بن سکتے، نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک ہو سکتا ہے، اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان دریاؤں کا پانی بہتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص کا ان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے، نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام مسلمانوں کا حق ہے، اسی لئے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور سیرابی دونوں قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے،

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا

صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی، ہو یا باشندگان ملک کو اور کسی قسم کا نقصان نہ پہونچتا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتی کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے :۔

له ان یشق الیها نهرا من هذه الانهار ولیس للامام ولا لاحد منعه عنه یضر بهوا ولم یضر،

اس کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین تک ان دریاؤن سے نہر کاٹ کر لیجائے، اور نہ امام (حکومت) ہی کو اس کا حق ہے، اور نہ کسی اور کو کہ اس فعل سے اس کو روکے بشرطیکہ اس نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہونچے،

ان دریاؤن کے پانی کی قوت سے چکی وغیرہ چلانا یا موٹ چرس ان پر قائم کرنا

اسی طرح ہر باشندۂ ملک کو اس کا بھی حق ہے کہ اس قسم کے دریاؤن اور ندیون پر،

ان ینصب علیه رحی ودالیة وسانیة (ہدایہ)

کہ ان پر پن چکی اور رہٹ موٹ وغیرہ قائم کرے،

البتہ حکومت اور پبلک دونون کو اس کا حق ہے کہ اس کے ان افعال سے خود نہر یا دریا کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اس کی نگرانی کرین، بدائع ہی مین ہے :-

فکان کل واحد بسبیل من الانتفاع لکن بشریطة عدم الضرر بالنهر کالانتفاع بطریق العامة وان اضر بالنهر فلکل واحد من المسلمین منعه،

اگرچہ ہر شخص کو نفع گیری کا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس کی نہر کی وجہ سے کسی کا کچھ نقصان نہ ہوتا ہو، وہی حکم اس کا بھی ہے جو عام شاہراہون کا ہے؛ لیکن اگر اس کی نہر سے نقصان پہنچتا ہو تو ہر مسلمان کو حق ہے کہ اس فعل سے اس کو روک دے'

دریاؤن کے سوا پانی کے اقسام

اسی طرح پانی کی دوسری اور تیسری قسم یعنی مخصوص افراد کی زمین مین جو نہرین ہوتی ہین یا مملوکہ زمینون کے تالاب اور کنوؤن کا پانی اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ

حق الشفة ثابت،

نوشیدنی کا حق پبلک کے ہر فرد کو اس مین حاصل ہے،

یعنی خود پینے یا اپنے جانورون کو پانی پلانے کا حق تو اب بھی عام پبلک کو حاصل ہے، البتہ چونکہ مملوکہ زمینون سے اس پانی کو تعلق ہے، اس لئے زمین کے مالکون کی اجازت کے بغیر دوسرون کو اس پانی سے باغون یا کھیتون کے سینچنے کی اجازت نہین دی جاسکتی، ہدایہ مین ہے،

فان اراد رجل ان یسقی بذالک ارضا احیاها کان لاهل النهر ان یمنعوہ عنه اضر بهم اولم یضر (ہدایہ جلد ۴ ص ۳۸۶)

اگر کوئی اپنی آباد کردہ زمین کو اس قسم کے پانی سے سینچنا چاہے، تو نہر والون کو حق ہے کہ اس کو روک دین، خواہ نقصان ہو یا نہ ہو،

نہرون کنوؤن تالابون اور پانی کے فروخت کا حکم

مگر بااین ہمہ اس قسم کے پانی کے بیچنے یا اجارہ کی بھی اجازت نہیں ہے، فقہا اس باب مین ایک حدیث بھی نقل کرتے ہین کہ

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع نقع البیر،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کنوؤن کے سوت کے پانی کو کوئی فروخت کرے،

نقع البیر کا ترجمہ صاحب بدائع نے "فضل مائها" یعنی کنوؤن کا زائد از ضرورت پانی کیا ہے، بہر حال اس حدیث کی وجہ سے پینے پلانے سے تو کسی کو کوئی روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہر شخص کو ایسی نہرون یا تالابون یا باؤلیون سے آبپاشی کی عام اجازت دے دی جائے گی، تو جیسا کہ صاحب بدائع لکھتے ہین،

کل احد یتبادر الیه فیسقی منه زرعه واشجاره فیبطل حقه اصلا،

ہر شخص پیش قدمی کرکے اس پانی سے نفع اٹھانا چاہے گا، اور اس سے اپنے کھیت اور باغ کو سیراب کرے گا، بس نہر والون کا حق مارا جائیگا'

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی مین اشتراکیت کا نظریہ صرف "حق الشفة" یعنی نوشیدنی تک محدود ہے پھر فقہا نے اس کی مختلف شکلون کے احکام بھی لکھے ہین، مثلاً اگر کنوان یا تالاب کا مالک پبلک کو اپنی زمین سے آنے سے روکے، اور کہے کہ تم کو تو تنہا پانی پر تمہارا حق ہے، لیکن میری مملوکہ زمین کے احاطہ مین داخل ہونے کی تو اجازت نہین

تو ایسی صورت مین دیکھا جائے گا اگر نوشیدنی کی ضرورت پبلک کسی اور ذریعہ سے پوری کر سکتی ہے، تو جھگڑنے کی حاجت نہین لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کنوؤن کے مالک کو مجبور کیا جائے گا، کہ یا تو وہ لوگون کو اپنے کنوئین سے پانی لینے دے ورنہ کوئی نظم کرے کہ لوگون تک ان کا قانونی حق پہنچ جائے یعنی ان کے اور ان کے جانورون تک پانی پہونچ جائے، اس حق پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ دونون باتون مین سے کسی پر راضی نہ ہو تو پبلک کو حق ہے کہ باضابطہ مسلح ہو کر اس سے جنگ کرے، اور اپنا حق حاصل کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین اسی قسم کی ایک صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا،

هلا وضعتم فيهم السلاح (بدائع) — تم نے لوگون کے درمیان ہتھیار کو کیون نہ ڈالا،

پانی کی وہ قسم جو بک سکتی ہے

یعنی پانی کی چوتھی قسم یعنی جب برتنون یا مشکون مین پانی بھر لیا گیا ہو تو اس قسم کے پانی مین انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہین کہ اب اس پانی کی حیثیت ایسی ہو گئی کہ

كما استولى على الحطب والحشيش والصيد، — کوئی (جنگل) کی لکڑیون اور گھاس اور شکار پر قابو پائے (تو وہ اس کی ملک بن جاتا ہے)

کہ ان چیزون سے استفادہ کا حق اگرچہ پبلک کے ہر فرد کو حاصل ہے لیکن جب ان پر کسی کا قبضہ ہو گیا تو قبضہ کرنے والے کی وہ ملک ہو جاتی ہیں، اسی طرح برتن اور مشک کا پانی بھی مملوک ہو جاتا ہے،

فيجوز بيعه، — اور ایسی صورت مین (مشک و برتن وغیرہ کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے)

اس قسم کے پانی کی بیع و فروخت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ

السقاؤن يبيعون المياه المحرزة في الظروف بمجرت العادة في الامصار في سائر الاعصار من غير نكير (بدائع) — برتنون میں جس پانی کو محفوظ کر لیا گیا ہو، اس کو بہشتیون کی بات ہمیشہ بیچتی رہی ہے، تمام شہرون اور ملکون میں اس کا عام رواج ہے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا،

اس لئے اس پانی کے متعلق حکم ہے کہ

فلم يحل لاحد ان يأخذ منه شيئا بغير اذنه، — جائز نہ ہوگا کہ پانی کے مالک کی اجازت کے بغیر کوئی اوس کو لے اور پیئے،

البتہ ایسی صورت مین کہ پیاس سے کس کی جان پر بن آئے، اور دوسرے کے برتن مین زائد از ضرورت پانی ہو تو غیر مسلح لڑائی کر کے پانی زبردستی چھین کر پی سکتا ہے،

شدید ضرورتون کی چیزون مین اشتراکیت کا نقطۂ نظر

اور یہ حکم کچھ پانی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ ہلاکت کے اندیشہ کی صورت مین زائد از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر استعمال کر سکتا ہے، خواہ کھانا ہو یا اسی قسم کی دوسری چیز، ہدایہ مین ہے کہ

وكذا الطعام عند اصابة المخمصة (جلد ۴ صفحہ ۳۸۵) — یعنی یہی حکم کھانے کا بھی ہے شدت بھوک مین،

مملوکہ پانی مین بھی اشتراکیت کا اثر

لیکن پانی برتن ہی والا کیون نہ ہو، حدیث مین چونکہ (الماء) مطلق پانی مین عام لوگون کو شریک قرار دیا گیا ہے، اس لئے فقہائے اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ بلا ضرورت اگر کسی کی مشک یا برتن سے آدمی پانی چرا لے تو چوری کی شرعی سزا قطع ید کا حکم اس پر نہ لگایا جائے گا، خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیون نہ ہو جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ہدایہ مین ہے،

لو سرقه انسان موضع يعز وجوده وهو يساوي نصابا لم تقطع يده — اگر کسی ایسے مقام مین جہان پانی مشکل سے میسر آتا ہو، اور اگر کوئی (برتن کا) پانی چرائے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، خواہ پانی کی قیمت اسی قدر کیون نہ ہو جس پر ہاتھ کٹتا ہو،

(کتاب الشرب جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)

کیونکہ بہرحال ایک گونہ شرکت کا شبہ اس مین پیدا ہو گیا ہے، اور شبہہ سے اس قسم کی سزائین ٹل جاتی ہین،

مچھلیون کا حکم

پانی ہی کے ذیل مین مچھلیون کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ جس طرح ہوا کے پرندون کا کوئی مالک نہین ہے، اور جو ان پر قبضہ کرے گا، وہی مالک ہو جاتا ہے، محض اس لئے کہ کسی کے تالاب یا باغ یا کھیت مین یہ پرندے چرتے چگتے ہین، یا رہتے ہین، یا آتے جاتے ہین، کوئی اُن کو فروخت نہین کر سکتا، حتیٰ کہ حکومت کو بھی اس کا اختیار نہین ہے، کہ اس قسم کی خشکی یا تری کے جانورون کو کسی کی انفرادی ملکیت قرار دے، غایۃ شرح ہدایہ مین ہے،

الامام لا يملك ان يخص واحداً	امام (حکومت) کو اس کا اختیار حاصل نہین
دون واحد بذٰلك حتى لو امر احداً	ہے، کہ کسی خاص شخص کو ان امور کی خصوصی ملکیت
ان ياخذ شيئًا	عطا کرے تاآنکہ اگر کسی کو امام حکم دے کہ فلان
.... صيد العينه	خاص شکار کو پکڑے، خواہ خشکی کا ہو یا دریا کا،
من بر او بحر لا يملك المامور قبل	تو جسے حکم دیا گیا ہے وہ شکار پکڑنے سے پہلے
الاخذ لا الاصطياد (ہدایہ ج جلد ۴ ص ۳۵)	اس شکار کا مالک نہین ہو سکتا،

سوال ہوتا ہے کہ جب ہوا کے جانورون کا یہ حکم ہے تو مچھلیان جن کی حیثیت پانی مین وہی ہے جو ان وحشی پرندون کی ہوا مین ہے، ان کو بھی کوئی بیچ سکتا ہے یا نہین، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین ایک خاص باب اس مسئلہ مین باندھا ہے، خود ان کا اور امام ابو حنیفہ وغیرہ کا خیال یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز نہین ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہین ہے، کہ یہ غیر مملوک شئی کی بیع ہے، بلکہ ممانعت کا سبب یہ بتایا گیا ہے، کہ خریدار کے متعلق دھوکہ کھا جانے کا اندیشہ ہے کہ پانی کے اندر کا حال اس کو کیا معلوم ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ

لا تبايعوا السمك في الماء فانه	مچھلی کو پانی کے اندر نہ بیچا کرو کہ اس مین
غرر،	دھوکہ ہے،

اسی قسم کے الفاظ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہین لیکن اسی کے مقابلہ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی کتاب الخراج مین یہ بھی مروی ہے کہ رس نامی مقام مین جو یمن مین واقع ہے،

انه وضع على اجمة برس اربعة	رس نامی مقام کے اجمہ (آبی نیستان) پر حضرت
آلاف درهم وكتب لهم كتابا في	علی کرم اللہ وجہہ نے چار ہزار درہم تشخیص فرمایا
قطعة أدم،	اور چمڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو اس کا پٹہ لکھ کر
(كتاب الخراج ص ۹۵)	دیا، (اجمہ کے لفظ کی تحقیق آگے آ رہی ہے)

صرف یہی نہین کہ حکومت نے اس خزانہ آب کو چار ہزار درہم مین بندوبست کیا، بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی اسی کتاب مین یہ مروی ہے کہ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے جو ان کے صوبہ دار تھے اونھون نے

يسئله عن بيع صيد الآجام	آجام (آبی نیستانون) کے شکار کے متعلق دریافت
	کیا کہ کیا ان کو فروخت کیا جائے،

جواب مین عمر بن عبد العزیز نے فرمان بھیجا،

ان لا باس به وسماه الحبس	اس کے فروخت کرنے مین کوئی مضائقہ نہین ہے
(كتاب الخراج ص ۱۱۱)	اور اس کا نام اونھون نے "الحبس" رکھا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالاب کی مچھلیون کے متعلق ابتداء سے کچھ اختلاف چلا آتا ہے، خود قاضی ابو یوسف نے بھی لکھا ہے، کہ اگر کسی ایسے گڑھے مین مچھلی ہو جو بغیر شکاری تدبیرون کے ہاتھ آ جائے تو اس کے بیچنے مین حرج نہین بلکہ آگے بڑھ کر ان کے الفاظ یہ بھی ہین،

ومثله اذا كان يوخذ بغير صيد	اور یہی حال ان مچھلیون کا ہے، جو بغیر شکاری
كمثل سمك في الجب،	تدبیرون کے پکڑی جاتی ہون، جیسا کہ ان
(كتاب الخراج ص ،،)	مچھلیون کا بیچنا جائز ہے، جو کنوئین مین ہون،

ان تمام اقوال کے دیکھنے سے فیصلہ کی صورت یہی معلوم ہوتی ہے، کہ سمندرون، دریاؤن، نہریون وغیرہ کی مچھلیان جو بند اور محدود پانی مین نہین رہتی ہین، ان کو نہ حکومت بیچ سکتی ہے، اور نہ شکار کرنے سے پہلے کوئی اور بیچ سکتا ہے، بلکہ وہ عام پبلک کی چیز ہے، ملک کے ہر باشندہ کو ان کے شکار اور ان سے استفادہ کا حق ہے، البتہ اگر محدود اور بند پانی مثلاً تالابون وغیرہ مین ہون تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق ان کے فروخت کرنے مین کوئی حرج نہین، خصوصاً ایسی مچھلیان جنھین اس زمانہ مین لوگ اپنے مخصوص تالابون مین خرید کر پالتے ہین، یعنی ان کے بچے جنھین زیرہ کہتے ہین، خرید کر تالابون مین چھوڑ دیتے ہین، چونکہ قبضہ کرنے اور مملوک بنانے کے بعد ان کو تالابون مین چھوڑا جاتا ہے، بظاہر ان کے فروخت مین کوئی مضائقہ نہین، لیکن آبادیون کے اطراف وجوانب کے تالابون یا جوہڑون مین جو قدرتی خود زائیدہ مچھلیان پائی جاتی ہین، اگر زمیندار اور جاگیر دار ان کو گاؤن کے عام باشندون کو شکار کر لینے کے بغیر کسی معاوضہ کی اجازت دیدیا کرین تو کم از کم حنفی مذہب کے رو سے اسلام نے عوام کا جو معاشی حق قائم کیا ہے، اس سے محروم کرنے کے وہ مجرم نہ ہونگے

مچھلیون کے سوا دوسری آبی پیداوارون کا حکم

مچھلیون کے ساتھ سمندر، دریا، ندی وغیرہ کی دوسری پیداوارون کا بھی سوال اسلامی فقہ مین اٹھایا گیا ہے، ہمارے امام ابو حنیفہ کا تو کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ خواہ جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو مثلاً عنبر ہو یا موتی ہو، یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو، سب کا حکم وہی ہے جو مچھلیون کا ہے، یعنی ملک کے عام باشندون کا وہ مشترک سرمایہ ہے، جس کا جی چاہے انھین نکال سکتا ہے، اور فائدہ اٹھا سکتا ہے، حکومت تک کو اس سے کسی قسم کے محصول لینے کا حق نہین ہے، قاضی ابو یوسف نے اس کا بھی کتاب الخراج مین ایک مستقل باب باندھا ہے، اور لکھا ہے کہ

قد کان ابوحنیفة وابن ابی لیلی یقولان لیس فی شیء من ذالک شیء لانہ بمنزلة السمك،

ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ دونون کا خیال تھا کہ سمندری پیداوارون (مثلاً عنبر موتی وغیرہ) مین سے کسی پر کوئی محصول یا ان کی قیمت نہین وصول کیجا سکتی ان سب کا وہی حکم ہے جو مچھلیون کا ہے،

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان کی بنا پر قاضی ابو یوسف نے خود یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ دریا کی وہ چیزین جو بطور زیور یا خوشبو کے استعمال ہوتی ہین، (مثلاً موتی مرجان عنبر وغیرہ) اس حکم سے مستثنیٰ ہین، ان کا خیال ہے کہ

فی ذالك خمس واربعة اخماسه لمن اخرجه،

حکومت ان پیداوارون سے خمس (پانچوان حصہ) وصول کرے گی، اور باقی چار خمس (حصے) اس شخص کے ہونگے جس نے اسے نکالا،

لیکن ان کے سوا اور تمام چیزون کے متعلق ان کا بھی وہی خیال ہے جو امام کا ہے، خود فرماتے ہین:-

اما فی غیرها فلا شی فیه،

جو چیزین بطور زیور (حلیہ) اور خوشبو کے استعمال ہوتی ہین، ان کے سوا سمندر کی اور چیزون پر کچھ نہین ہے،

حضرت عمرؓ کے جس فرمان سے اونھون نے حلیہ اور عنبر کو مستثنیٰ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یعلیٰ بن امیہ کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحر (سمندر) کے علاقون یا بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، یعلیٰ نے بارگاہ خلافت مین یہ لکھ کر پوچھا،

عنبرة وجدها رجل یسئله عنها وعما فیها

عنبر (مچھلی جس سے عنبر نکلتا ہے) ایک شخص کو ملی ہے وہ اس مچھلی اور جو کچھ اس کے اندر سے برآمد ہوگا اس کے متعلق پوچھتا ہے،

جواب مین یہ فرمان گیا کہ

فیما اخرج اللہ جل شانہ من

سمندر سے اللہ تعالیٰ جن چیزون کو برآمد کرتے ہین

البحر الخمس (کتاب الخراج)	ان مین خمس (پانچوان حصہ) حکومت کا حق ہو،

اس فرمان کے راوی ابن عباسؓ ہین، خود بھی فرماتے ہین :-

وذالک رائی،	اور میری بھی یہی رائے ہے،

بہرحال یہ سارے مباحث تو الماء (یعنی پانی) کے تھے، جس مین آنحضرتؐ نے ملک کے عام باشندون کو شریک قرار دیا ہے، گزشتہ بالا مسائل گویا اسی اشتراکی نظریہ کی تفصیل تھی،

سیال معدنیات کے احکام

پانی اور پانی کے خزانون اور چشمون کے ذیل مین چونکہ بعض سیال معادن کو فقہائے اسلام نے اسی ذیل مین شمار کیا ہے، حتی کہ قاضی ابو یوسف نے تو کتاب الخراج مین صاف طور پر لکھدیا ہے کہ

لیس فی النفط والقیر والزئبق و	جہان تک مین جانتا ہون مٹی کے تیل (نفط)
الموميا ان کان لشیئ من ذالک	اور قیر (تارکول) مومیائی مین کچھ نہین ہے
عین فی الارض شیئ تعلمه کان	بشرطیکہ زمین سے ان کا کوئی چشمہ ابلتا ہو
فی ارض عشر او فی ارض خراج	خواہ یہ چشمے عشری زمین مین ہون یا
(کتاب الخراج ص ۶۲)	خراجی زمین مین،

لیکن یہ ایک اجمالی بیان ہے ورنہ جیسے پانی کے مختلف اقسام کے مختلف احکام تھے، ان معدنی چیزون کا بھی یہی حال ہے گنجایش کی حد تک ضروری مسائل درج کئے جاتے ہین، اس مسئلہ کا پہلے بھی کچھ ذکر آچکا ہے لیکن اس وقت ہم اس کو شرح الکبیر للمقنع الحنبلی سے نقل کرتے ہین، اس مین ہے :-

لا تملك المعادن الظاهرة	ایسے معادن جنھین معادن ظاہرہ کہتے ہین،
كالملح والقار والكحل والجص	مثلاً نمک اور قار (تارکول) سرمہ گچ نفط (مٹی
والنفط بالاحياء وليس للامام	کا تیل) وغیرہ کے بعد معدنون کا کوئی شخص
اقطاعه (ج ۶)	ذاتی طور پر مالک نہین ہو سکتا، نہ احیاء اور آباد

کرکے ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے اور نہ حکومت کو حق ہے، کہ کسی خاص شخص کی شخصی جاگیر میں دے

یہ تو متن کی عبارت ہے شرح اس کی یہ کی گئی ہے کہ

المعادن الظاهرة وهي التي	ایسے معادن جو ظاہری معادن کہلاتے ہین
يوصل الى ما فيها من غير	جن کی تعریف یہ ہے کہ (۱) ان تک بغیر کسی
مؤنة ينتابها الناس وينتفعون	محنت و مشقت کے رسائی ہوتی ہو، (۲) لوگون
بها كالملح والكبريت والقير	کی اس پر آمد و رفت جاری ہو (۳) اور اس سے
والموميا والنفط والكحل والياقوت	عام لوگ نفع اٹھاتے ہون، مثلاً نمک گندھک،
ومقاطع الطين واشباه ذالك	قیر (تارکول) مومیائی، نفط (مٹی کا تیل)،
لا يملك بالاحياء ولا يجوز	سرمہ، یاقوت، مٹی نکالنے کی جگہ (لشکور) اُن
لاحد من الناس ولا احتجاز	اسی قسم کی چیزین آباد کرکے بھی کوئی ان کا مالک
دون المسلمين لان فيه ضرر	نہین ہو سکتا، اور نہ کسی کے لئے ایسا کرنا جائز
المسلمين وتضييقاً عليهم،	ہے، اور نہ یہ درست ہے کہ عام مسلمانون
	کو اُن سے استفادہ سے روکا جائے کیونکہ
	مسلمانون کا نقصان ہے، اور ان پر تنگی و
(المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۷)	ضیق عائد کرنا ہے، (باقی)

کلامِ اقبال کی دقتین

اور

ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار یونیورسٹی، اورنٹیل کالج، لاہور،

(۲)

اقبال کے اہم علمی مسائل کی تشریح مطالعۂ اقبال سے پہلے بطور تمہید، مقدمے یا دیباچے کی صورت مین ان اہم علمی مسائل کا مختصر اور سادہ تجزیہ ہونا چاہئے، جن سے پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ بلکہ سب کتابین لبریز ہین، حکماے مشرق کی طرح اقبال نے حکماے مغرب سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، اس لئے کلامِ اقبال مین جابجا مشرقی اور مغربی حکمت کے بعض مسائل کی طرف اشارات ہین، بعض اشعار مین کسی اسلامی یا مغربی حکیم کی پوری حکمت کا خلاصہ بیان ہوا ہے، کہیں کہیں خاص خاص علمی اصطلاحات ہین، عام مطالعہ کرنے والے عموماً صرف لطفِ زبان سے لذت گیر ہو کر آگے چل دیتے ہین، اور شعر کے اصلی مفہوم سے ناواقف رہتے ہین، اس لئے اس قسم کی علمی اصطلاحون اور فلسفہ و حکمت کے مسائل و نکات کی آسان تشریح ابتدائی لوازم مین سے ہے، اس کی تشریح کے لئے دو مثالین پیش کیجاتی ہین، اقبال نے پیامِ مشرق کے باب "نقشِ فرنگ" مین "صحبت رفتگان" کے عنوان سے ایک مکالمہ لکھا ہے جس مین بعض حکماے جدید و قدیم نے اپنے اپنے مسائل کا تذکرہ ایک ایک دو دو شعرون مین کیا ہے، ان مین سب سے پہلے ٹالسٹائے، پھر کارل مارکس، پھر ہیگل، پھر مزدک، اور اس کے بعد کوہکن لب کشا ہو کر اپنا

فلسفہ بیان کرتے ہین، ہیگل کہتا ہے:-

جلوہ دہد باغ و زاغ معنی مستور را یین حقیقت نگو خنظل و انگور را

فطرتِ اضداد خیز لذتِ پیکار داد خواجہ و مزدور را آمر و مامور را

ان اشعار کے ساتھ ہیگل کے مخصوص فلسفۂ جدل و پیکار کی شرح کس قدر ضروری ہو جاتی ہے، اسی طرح ذیل کے اشعار مین برگسان کی حکمت کا جو خلاصہ موجود ہے، اس کو نمایان اور متعین کرنے کی ضرورت ہے،

پیغامِ برگسان کے عنوان سے یہ اشعار پیامِ مشرق مین ہین،

تا بر تو آشکار شود رازِ زندگی خود را جدا ز شعلہ مثالِ شرر مکن

بہر نظارہ جز نگہِ آشنا میار در مرز و بومِ خود چو غریبان گذر مکن

نقشے کہ بستۂ ہمہ اوہام باطل است

عقلے بہم رسان کہ ادب خوردۂ دل است

آخری مصرع مین برگسان کا فلسفۂ الہام و تجلی بیان ہوا ہے، اس کے سمجھنے کے لئے برگسان کے خیالات کا ایک خلاصہ کتاب مین ہونا ضروری ہے، پیامِ مشرق مین ایک دوسرے مقام پر حکماے مغرب کی حکمت کا بیان ایک ایک شعر مین ہوا ہے:-

لاک ساغرش را سحر از بادۂ خورشید فروخت ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آمد

کانٹ فطرتش ذوق مے آئینہ فامے آورد از شبستانِ ازل کوکب جامے آورد

برگسان نہ مے از ازل آورد، نہ فامے آورد لالہ از داغِ جگر سوز ودامے آورد

اس کے بعد بعض شعراء کے پیغام کی خصوصیت ان اشعار مین بیان ہوئی ہے:-

براوننگ بے پشت بود بادۂ سرجوشِ زندگی آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

بائرن از منتِ خضر نتوان کرد سینہ داغ آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

غالب: تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر	بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم
رومی: آمیزشے کجا گہر پاک او کجا	از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

ان اشعار میں ہر شاعر کی شاعری کا لب لباب موجود ہے، جس کو مبتدی رہنمائی کے بغیر سمجھنے سے قاصر رہے گا، اس کے علاوہ حکمت، فلسفہ، فقر، سیاسیات، اجتماعیات، مذہب اور روحانیت سے متعلق بیسیوں اشارے کلام اقبال میں اس انداز سے آجاتے ہیں کہ ان کی ماہیت معلوم کئے بغیر، مطالعہ کرنے والا آگے نہیں بڑھ سکتا، مثلاً خودی کا سرسری مفہوم، جہاد اور کش مکش کا ابتدائی تصور، فقر اور اس کی عارفانہ تشریح، عشق، جمال اور جلال کی تعبیر، تقدیر اور توحید کے معانی، جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت کی مجمل تعریف، فلاسفۂ یورپ کے خیالات کا خلاصہ، ان تمام امور و مسائل کے تمہیدی پہلوؤں سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ اصحاب علم و نظر کے علاوہ، عام مطالعہ کرنے والوں کے بیشتر طبقات کلام اقبال کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ فکر اقبال درحقیقت خواص اور علماء کے غور و فکر کے لئے ہے، عوام تشریح و تعبیر کے بغیر اس سے متمتع نہیں ہو سکتے،

میں اس سلسلے میں ناظرین کرام کو خودی کے تصور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، تصوف نے ہمیشہ "خود" کو مٹانے اور خودی کو فنا کرنے کی تلقین کی ہے، حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر فرماتے ہیں،

بایار بہ نشین و باخود منشین

لسان الغیب حافظ فرماتے ہیں :-

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

ہمام تبریزی بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کرتے ہیں :-

درمیان من و محبوب حجاب است ہمام	باشد آن روز کہ آن ہم ز میان برخیزد

نفی خودی تصوف کا بنیادی عقیدہ ہے، کیونکہ خودی کا احساس صوفیہ کے نزدیک ایک گناہ ہے،

وَجُودُكَ ذَنبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنبٌ

اس عقیدے کی بنیاد اس خیال پر قائم ہے کہ انسان دراصل گلشن قدس کا ایک پھول تھا، اور ذات باری کا جز، خداوند تعالیٰ کے شوق ظہور نے دنیا کو پیدا کیا، اور انسان کو اس نئی بستی کا حاکم اور مالک بنایا، گویا کل نے جزو کو عارضی طور پر اپنے آپ سے الگ کر دیا، اب یہ جزو کل سے ملنے کے لئے بیقرار ہے، جب تک حجاب جسمانی موجود ہے، یہ جزو کل سے ہم کنار نہیں ہو سکتا، لہذا صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خود کو مٹانا ہی تمام مسرتوں کا سرچشمہ اور راحتوں کا منتہا ہے، اس خیال کو تمام صوفی شعراء بڑی قوت اور بڑے جوش کے ساتھ ظاہر کرتے آئے ہیں،

خواجہ حافظ فرماتے ہیں :-

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود	آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

نظیری کی پہلی غزل بھی اسی مضمون کی حامل ہے،

دران گلشن ہوا بودم کہ مستی زاد از نرگس	دران مجلس صفا بودم کہ عشق از حسن شد پیدا
بزحمت اتصال افتد چو پیوندے برید از ہم	کہ بفرصت قطرہ دریا می شود چون قطرہ شد دریا

رومی کی مثنوی کے ابتدائی اشعار کا مضمون بھی یہی ہے،

از نیستان تا مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ دارم شرحہ شرحہ از فراق	من چہ گویم شرح درد اشتیاق

تصوف کے اس عقیدے کا اثر اس قدر گہرا اور ہمہ گیر ہے کہ خود علامہ اقبال نے اپنی ابتدائی نظموں میں یہ رنگ قبول کیا، اور یہی صوفیانہ لے نکالی، چنانچہ ایک نظم میں فرماتے ہیں،

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجاب وجود کی	شام فراق صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے مین آشنا نہ تھا زیب درخت طور میرا آشیانہ تھا وغیرہ

اس سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ خود کو جو کل و جز مین تفریق کا سبب ہے مٹانا تصوف کے مسائل مہمہ مین سے ہے، اس کے برعکس اقبال نے خودی اور بیخودی کا ایک نیا تصور ہمارے سامنے رکھا ہے، جس کا مفہوم معاشیاتی، نفسیاتی، سیاسی یا عمرانی ہے، اسرار خودی سے لیکر ارمغان حجاز تک سب کتابون مین یہ تصور روح رواں کا درجہ رکھتا ہے، جس طرح گوشت کو ناخن سے جدا نہین کیا جا سکتا، اسی طرح تصور خودی کو اقبال کے نظام فکر سے الگ نہین کیا جا سکتا، خودی کا یہ تصور بظاہر تصوف کے عقیدۂ خودی کے بالکل ضد ہے، اگر صوفی خود کو مٹا کر کمال کی معراج پر پہنچنے اور پہنچانے کا مدعی ہے، تو اقبال خودی کی تربیت کے ذریعے شرف انسانیت کو اعلیٰ مدارج سے روشناس کرانے کا دعوے دار، ایک کے نزدیک خودی کی موت مین حیات ہے، اور دوسرے کے نزدیک خودی کی تربیت مین زندگی اور اس کی موت مین ممات ہے، یہ ایک تضاد ہے، اور بہت بڑا تضاد ہے، جس کو رفع اور دونون مسائل کا ابتدائی تجزیہ کرنا مطالعۂ اقبال کی تسہیل کے لئے ضروری مبادی مین سے ہے،

مندرجہ بالا تصریحات سے ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اقبال تصوف کو کس نظر سے دیکھتے ہین، کلام اقبال کے ناقص مطالعہ کی وجہ سے ایک خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ اقبال تصوف کے مخالف تھے، لیکن کیا یہ خیال صحیح ہے؟ مین سمجھتا ہون کہ مروجہ تصوف کے بعض بیجا اور ناقص پہلوؤن سے قطع نظر ہماری تہذیب اور ہمارے علوم بہت بڑی حد تک صوفیون کے اثرات حسنہ کے رہین منت ہین، یہان تک کہ علماے ظاہر نے مذہب اور دین کی جتنی خدمت کی ہے صوفیاے کرام نے کسی طرح اس سے کم خدمت انجام نہین دی، انھون نے لوگون کو ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے، یہ ایک دلچسپ انکشاف ہے کہ امام ابن تیمیہ جو تصوف کے بڑے مخالف خیال کئے جاتے ہین وہ بھی علامہ ابن قیم کے بقول تصوف کی روح کے منکر نہ تھے، (ملاحظہ ہو اغاثۃ اللہفان اور مدارج السالکین)

پھر کیا علامہ اقبال اس تصوف کے مخالف ہو سکتے ہین؟ میرے خیال مین اقبال کے متعلق یہ راے قائم کر لینا کسی طرح بھی درست نہین، لیکن مسائل اقبال کی تنقیدی تشریح کے بغیر اس قسم کی بیسیون غلط فہمیون کے پیدا ہونے کا امکان ہے،

علامہ اقبال تمام برگزیدہ صوفیون کے مداح تھے، اور ان مین بعضون کی خدمت مین نذرانۂ عقیدت بھی پیش کیا ہے جو ان کے کلام مین موجود ہے، لیکن آخری عمر مین منصور حلاج کی نسبت اُن کا جذبۂ تحسین بہت بڑھ گیا تھا، اس کی کتاب کتاب الطواسین اقبال کی محبوب کتابون مین سے تھی، یہ امر بھی دوسرے بہت سے مسائل کی طرح قابل تشریح ہے، کہ اقبال اپنی شخصیتون مین منصور کو اتنا اہم درجہ کیون دیتے ہین؟

مین نے اقبال کے مسائل مہمہ کی تشریح کے سوال کو اس لئے زیادہ اہمیت دی ہے، کہ ان کے صحیح اور معین تصور کے بغیر فکر اقبال مبہم ہو کر رہ جاتا ہے، اور مطالعہ کرنے والے سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد بھی کہتے ہین

ع حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است

اقبال کے سرچشمہ ہاے فیض علامہ اقبال نے جن مآخذ سے فائدہ اٹھایا ہے، ان کی فہرست طویل ہے، ان مآخذ مین کلام اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے علاوہ بہت سے قدیم و جدید اسلامی و مغربی مفکرین کی کتابین بھی شامل ہین، مگر اس وسیع استفادے کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا، کہ اقبال نے اپنی حکمت کی اساس اسلام کے عقائد اصولیہ اور حکماے اسلام کی حکمت عالیہ پر رکھی ہے، Humphry Trevelyan نے اپنی کتاب "Popular Background to Goethes Hellenism" مین گوئٹے کے متعلق لکھا ہے، :-

"For good or ill, Goethe could not get away from the Greeks" (Introductin, IX)

حقیقت یہ ہے کہ گوئٹے کو حکماے یونان سے جو وابستگی تھی، اس سے ہزارون درجہ زیادہ وابستگی اقبال کو

فکر اسلامی سے تھی، اونھون نے ۱۹۲۵ء میں علوم اسلامیہ کے نصاب کے متعلق صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم کے نام جو خط لکھا تھا، اوس سے ایک طرف ان کی اس محبت اور شیفتگی کا پتہ چلتا ہے، جو انہیں علوم اسلامیہ سے تھی، اور دوسری طرف اس ذہنی اور مذہبی نصب العین کی تعیین ہوتی ہے، جو علامہ کے پیش نظر تھا، وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کے تسلسل کو قائم رکھا جائے، اور دماغی اور ذہنی کاوش کو ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے، اور ایک نئے دینیات وکلام اور حکمت کی تعمیر و تشکیل مین اس کو بروئے کار لایا جائے، اس غرض کے لئے اونھون نے جن جن شعبون کے قیام کی تجویز پیش کی ہو اور جن جن کتابون کے نام گنائے ہین، ان سے علامہ کی پسند و ناپسند کا بخوبی پتہ چلتا ہے، علامہ کے خیال مین ان علوم کے بغیر نہ ملت کی روحانی ضرورتین پوری ہوسکتی ہین نہ نئی نسلون کا ذہنی اور روحانی مطمح نظر ہی معین ہوسکتا ہے، اور نہ کسی خالص اسلامی تہذیب اور نظام فکر کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، علامہ نے اپنی زندگی مین اس نصب العین کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی، ان کے افکار اور کلام مین علوم اسلامیہ کا بہترین خلاصہ موجود ہے جو شاعرانہ زبان مین ہونے کی وجہ سے اگرچہ تلمیحی اور ایمائی حیثیت رکھتا ہے لیکن اربابِ فکر ان اشارات و کنایات کو کسی قدر کوشش کے ساتھ پوری طرح پھیلا سکتے ہین، میری رائے میں ان علوم سے ابتدائی واقفیت کے علاوہ ہمارے لئے ان حکمائے اسلام اور صوفیائے کرام کے عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، جن کے سرچشمۂ فیض سے فکر اقبال سیراب ہوتا رہا،

رومی ان مین سب سے پہلا نام مولانا روم کا ہے، فکرِ اقبال کے ماخذ مین رومی کو سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، اقبال رومی کو اپنا ہادی اور پیشوا خیال کرتے ہیں، اور بار بار اعلان کرتے ہین، کہ میرے میکدے کی شراب دراصل پیرِ روم کے خمستان کی حاصل کردہ ہے، اقبال زندگی کے اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہین، مگر اس انکشاف کا سہرا اپنے مرشد رومی کے سر باندھتے ہین، یہی رومی جاوید نامہ کے زندہ رود کے لئے خضرِ راہ بنتے اور اسے آسمانی دنیا کی طلسماتی فضا کی سیر کراتے ہین، اور جب حکیم مشرق زندگی کے کام کی تکمیل کر چکنے کے بعد اقوام شرق کو آخری

پیغام دیتا ہے تو اس وقت اسی حکیم کی روح ندائے سروش بن کر مژدۂ انقلاب لاتی ہے، یہ مولانا جلال الدین رومی ہی ہین، جو اقبال کی نظر میں کلیم بھی ہین، اور حکیم بھی، مجدد بھی ہین، اور مصلح بھی، شاعر بھی ہین اور ساحر بھی، ولی بھی ہین اور مجذوب بھی، طریقت کے دشوار گذار راستون کے راہبر بھی ہین، اور حقیقت کے مرحلون کے ہادی بھی، شریعت کے غوامض کے عقدہ کشا بھی ہین، اور حکمت کے دقائق کے شارح بھی، غرض اقبال کے نزدیک ہماری موجودہ "کرم خوردہ" ملت کے تمام روحانی اور ذہنی امراض کو شفا بخشنے والا رومی ہے، جس کی تعلیمات کو اقبال نے اپنے افکار مین دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ استغراق اس درجہ ہے کہ اقبال اپنے آپ کو "مثیل رومی" قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عہدِ قدیم مین رومی ملت کے لئے پیغامِ حیات لائے تھے، اور اس پرآشوب دورِ حاضر مین وہ خود اس کے مبلغ اور داعی ہین،

اقبال کے نزدیک رومی کی زندگی اور ان کی حکمت کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کے پیش نظر فکرِ رومی کی تدوین اور تشریح کرنا ہمارے لئے حد درجہ ضروری ہے تاکہ اقبال کا مطالعہ کرنے والون کو رومی کی صحیح عظمت کا احساس ہوسکے، رومی کے فلسفے کی ممتاز خصوصیات سے دنیا کو روشناس کرائین، ان کے امتیازات اور دور جدید پر اوس کے اثرات دکھلانے کی کوشش کرین، اس سلسلہ مین سب سے پہلے رومی کے ان اشعار کی تشریح کی ضرورت ہے، جو علامہ کی تصنیفات مین بڑی کثرت کے ساتھ آئے ہین، تاکہ علامہ کے خیال کا سیاق وسباق سمجھ مین آسکے، مبتدیون کے لئے اگرچہ اتنا ہی کافی ہے، لیکن اہلِ علم کا کام اس پر ختم نہیں ہوجاتا، اس سے رومی کے عمیق مطالعہ کی وسیع شاہراہین ہمارے سامنے کھلتی ہین، جو مطالعۂ اقبال کی نہایات میں سے ہے، خود علامہ نے بار بار ہمین فکرِ رومی کی گہرائیون میں ڈوب جانے کی ترغیب دی ہے:-

گسستہ تار ہے تری خودی کا ساز ابتک
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز ابتک

ابتک جس قدر مضامین لکھے جاچکے ہین، ان مین اقبال اور رومی کے مشترک خیالات پر بہت کم روشنی

ڈالی گئی ہے، جہان تک مجھے معلوم ہے، شاید ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ہی ایک ایسے شخص ہین، جنھون نے اپنے مضمون "رومی نطشے اور اقبال" مین واضح طور پر ان خاص تصورات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جو اقبال نے رومی سے اخذ کئے ہین اسی طرح چند اور بزرگون نے بھی اشارۃً اور ضمناً اس بنیادی مسئلے کی طرف توجہ کی ہے، لیکن اس مہتم بالشان بحث کے متعلق یہ اختصار بالکل ناکافی ہے، کیونکہ فکرِ رومی کی تجدید و ترویج ہی علامہ اقبال کے مقاصد زندگی مین تھی، ایسی حالت مین کیا شارحین اقبال کا سب سے ضروری فریضہ نہیں کہ وہ فکرِ اقبال کے طالبین کو حکمتِ رومی کے امتیازات سے روشناس کرین، تاکہ وہ اس کی روشنی مین علامہ اقبال کے افکار سے پوری طرح سے آگاہ ہو سکین، مشرق مین مولانائے روم کی مثنوی کو ابتدا سے اس قدر تقدس حاصل رہا ہے کہ عقیدت مندون نے اُسے "قرآن در زبانِ پہلوی" کا خطاب دے کر آنکھون اور دلون مین جگہ دی، ایران، ترکی، عرب، اور ہندوستان مین مثنوی کی بیسیون شرحین لکھی گئین، علی الخصوص ہندوستان مین مطالعۂ رومی کی طرف جتنی توجہ ہوئی، اس کے مقابلہ مین شاید ہی کسی اور کتاب کو پیش کیا جا سکے، عبداللطیف عباسی کی لطائف المعنوی، نواب شکر اللہ خان خاکسار کی شرح، ملا ایوب پارسا لاہوری، ملا سعید، محمد عابد اور مولانا محمد افضل الہ آبادی کی شرحین اور بالآخر ملا بحر العلوم کی تفسیر مثنوی اُن چند ممتاز شرحون مین سے ہین، جو مثنوی رومی کے مطالعہ کے سلسلہ مین تحریر مین آئین، مثنوی رومی کے مطالعہ کی طرف سب سے زیادہ توجہ ہندوستان مین اورنگزیب عالمگیر کے زمانے مین ہوئی، نواب عاقل خان رازی میر عسکری کو اسرار مثنوی کے حل کرنے مین خاص مہارت حاصل تھی، اس امیر کے زیر اثر مطالعہ رومی کے شوق و ذوق کو بڑی ترقی ہوئی، عہدِ عالمگیری جیسا کہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہین، شدید سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا، جس مین ہندوستانیون کے طبائع شورش اور روحانی آشوب کی مخالفتون سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی نوشدارو کی جستجو مین تھے، ہیجان و اضطراب کے ان ایام مین شاید مطالعۂ رومی ہی وہ نوشدارو تھا، جس کے استعمال سے عہدِ عالمگیری کے لوگ اطمینان قلب حاصل کرتے تھے،

پس علامہ اقبال نے ارشاد و ہدایت کے لئے جس برگزیدہ ہستی کو منتخب کیا ہے، وہ اس امر کا بجا

استحقاق رکھتی ہے، کہ عالم انسانیت، آفات و فتن کے اس نئے دور مین بھی اس کے تجویز کردہ نسخۂ شفا سے اپنے روحانی عوارض کا علاج کرے، موجودہ دور اپنے نتائج کے اعتبار سے ملتِ اسلامی اور مسلمانون کے حق مین تاریخی دور سے کسی طرح کم نہین، جس کی دشواریون اور پرپیچ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے علامہ اقبال نے مرشد رومی کے دامن سے تمسک کرنے کی ضرورت محسوس کی، رومی کی حکمت "عقلیت" کی دشمن ہے، اور ادبستانِ دل کی طرف رہنمائی کرتی ہے، مانا کہ ہم کو رومی کے صفحات مین تجاذب اجسام اور تجدد امثال جیسے دقیق سائنٹفک مسائل بھی ملتے ہین، لیکن اہلِ کشف و شہود کی بارگاہ مین ان ادنیٰ حقیقتون کا علم کوئی خاص پایہ نہین رکھتا، رومی کا سب سے بڑا امتیاز عشق کا جذب و سرور پیدا کرنا ہے، اور دورِ حاضر کے لئے سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے،

رومی کے متعلق بہت کچھ کہہ چکا اس سے زیادہ اس مبحث کو طول دینے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی، آخر مین پھر اسی کا اعادہ کرون گا کہ اقبال کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے رومی کو نہ صرف سمجھنا چاہئے، بلکہ اوس کو مقبولِ عام بنانا چاہئے، اور حکمتِ رومی کے ایسے دبستان قائم کرنے چاہئیں، جن مین اسلامی حکمت و تصوف کے ماہرین فکرِ رومی کے قلزم زخار کی غواصی کرین اور جو کچھ اس تلاش و جستجو سے حاصل ہو اُسے دنیا کے سامنے پیش کرین،

سنائی اور عطار اقبال نے عطار اور سنائی سے بھی استفادہ کیا ہے، سنائی سے زیادہ اور عطار سے کم، بالِ جبریل مین وہ قطعہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، جو حکیم سنائی غزنوی کے مزار پر لکھا گیا تھا، اور جو حکیم علیہ الرحمۃ کے ایک قصیدہ کے تتبع مین ہے، اس قطعے مین کتنا جوش، کتنا سرور اور کتنا سوز ہے، ہر ہر شعر سے جذبات کے طوفان امنڈتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعرِ مشرق جب حکیم سنائی کے مزار پر پہنچتا ہے تو سنائی کی عظمت اوس کے پہنائے قلب پر چھا جاتی ہے اور رومی کا یہ مصرع بیساختہ اسکی زبان پر جاری ہو جاتا ہے، کہ

ع ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

مسافر مین بھی وہ نظم موجود ہے، جس مین حکیم موصوف سے استصواب کرتے ہین:-

حکیم سنائی سے علامہ اقبال کی عقیدت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حکیم علیہ الرحمۃ بھی سلسلۂ رومی

سے تعلق رکھتے ہین یہ وہ بزرگ ہین جن سے کسب فیض کا رومی کو خود اعتراف ہی، بلکہ ان کے ہم سلسلہ ہونے پر فخر بھی اظہار کیا ہی، حکیم سنائی کی زندگی کے واقعات نفحات الانس وغیرہ مین بہ تفصیل موجود ہین، جن سے حکیم علیہ الرحمہ کے صاحبِ عرفان ہونے کا پورا پورا پتہ چلتا ہے ان کی کتابین حدیقۃ الحقیقۃ اور طریقۃ الحقیقۃ فارسی کی صوفیانہ شاعری کے لئے Classics اور بنیادی کتابون کا درجہ رکھتی ہیں، خود شیخ عطار اور مولانا روم ان سے بے حد متاثر ہوئے، مجھے یونیورسٹی لائبریری کی سابق ملازمت کے سلسلہ مین اس کا پورا علم ہے کہ علامہ اقبال اکثر حدیقہ اور اس کی شرحون سے استفادہ کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ارشاد تھا کہ حدیقہ کی تعلیم کو ہمارے نظامِ تربیت مین خاص جگہ ملنی چاہئے،

حدیقہ کیا ہے؟ اس مین کیا خاص اہم علمی و حکمی مسائل زیرِ بحث آئے ہین؟ اور وہ کون سے نکات ہین، جو جدید علوم کی توسیع کے بعد حدیقہ کے ذریعہ زیادہ روشن اور واضح ہو سکتے ہین؟ علامہ اقبال کو سنائی سے کیون اس قدر دلچسپی تھی؟ یہ وہ باتین ہین جن کا جاننا ہر محبِ اقبال کے لئے ضروری ہی،

سنائی کی طرح علامہ کو عطار سے بھی دلچسپی ہے، لیکن بہت زیادہ نہین، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عطار کی تصانیف بے شمار ہین، اور کسی حد تک غیر دلچسپ، یونیورسٹی لائبریری مین مثنویات عطار کا جو قدیم نسخہ ہی، اس مین ان کی کم و بیش چوبیس تصانیف نظم موجود ہین، اس نسخے کی ضخامت سات سو صفحات کے قریب ہی، مزید یہ کہ بہت سی مثنویان عطار کی طرف غلط طور پر منسوب ہین، اس کے علاوہ یہ سبب بھی ہے کہ سنائی اور عطار دونون رومی کے سلسلۂ اساتذہ مین ہین، اور ان کے خیالات کا بیشتر حصہ رومی نے اپنی مثنوی مین لے لیا ہے،

تاہم عطار چونکہ اقبال کے اساتذۂ روحانی مین سے ہین، اس لئے ان کی سوانح حیات، تصانیف اور افکار سے واقف ہونا خالی از فائدہ نہین،

| سعدالدین محمود شبستری | زبورِ عجم کا "گلشنِ رازِ جدید" شبستری کے گلشنِ راز کے جواب مین لکھا گیا ہے،

شیخ شبستری تاتاری انقلاب کے زمانہ کے بزرگ ہین، اس دور مین خاکِ ایران نے جو بلند پایہ ہستیان پیدا کین، ان مین سے ایک صاحبِ گلشنِ راز بھی ہین، گلشنِ راز تصوف کی دقیق کتابون مین سے ہے، علامہ نے اس کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے، پھر اس کے پیغام کو نئے لباس مین ملبوس کرتے ہوئے گلشنِ رازِ جدید کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے،

اقبال اور شبستری کے فکر کے مقاماتِ اتصال کیا ہین؟ اور وجوہ اختلاف کون سے ہین؟ اقبال اور شبستری دونون کا مطمحِ نظر کیا ہے؟ اور ان مین سے ہر ایک کس نئے انقلاب کا مدعی ہے؟ ان سب سوالات کا جواب مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں ضروری ہے، مین نے اپنے ایک مضمون "اقبال اور شعرائے فارسی" مین ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن مجھے اعتراف ہے کہ مین گلشنِ راز کے بہت سے مسائل سمجھنے سے قاصر رہا،

مین نے اس مضمون مین اختصار کے ساتھ اقبال کے اسلامی مآخذ کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ بحث اس درجہ دقیق اور پر از مسائل ہے کہ اس مختصر سے مضمون مین اس کے مبادی تک کا بھی تذکرہ نہین ہو سکتا، تاہم اس سے اتنا واضح ہو گیا ہوگا کہ حکمتِ اقبال کے اجزائے ترکیبی مین مسلمان صوفیون اور حکماء کی حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، پس اگر ہم چاہتے ہین کہ اپنے دور کے حکیم اور عارف اقبال کی حکمت کا صحیح تجزیہ کر سکین تو ہمین علومِ اسلامیہ اور خاص کر اُس چمنِ فکر کی سیر کرنی چاہئے، جس کے گلہائے رنگا رنگ سے گلشنِ اقبال کو یہ رونق حاصل ہوئی،

حکمائے مشرق کی طرح اقبال نے حکمائے مغرب سے بھی بے حد استفادہ کیا ہی، مطالعۂ اقبال کے اس پہلو کے متعلق کچھ کام ہو چکا ہے، لیکن ابھی وہ ناکافی ہے، اس کے لئے فلسفۂ جدید سے عمومی واقفیت اور بعض بڑے بڑے فلسفیون کے خصوصی اور نمایان پہلوؤن سے واقف ہونا ضروری ہے، مثلاً نطشے، برگسان، ولیم بلیک، کانٹ، الیگزنینڈر، میک ٹیگرٹ وغیرہ،

اُمید ہے کہ اقبال کے شیدائی، مطالعۂ اقبال کی تسہیل و تشریح کے لئے کوئی موثر اقدام کرین گے،

اسلامی اور غزنوی علم

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

(۲)

اس تفصیل کے بعد غزنوی علم کے متعلق کچھ نئی چیزین پیش کیجاتی ہین، اس سلسلہ مین اس عہد سے پہلے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانون کے مختلف اعلام کا تذکرہ کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اور ہیسٹنگز کی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (جلد دوازدہم، صفحہ ۱۴۵) مین سے کچھ مفید معلومات کا خلاصہ یہان درج کیا جاتا ہے :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمان حکمرانون نے اپنے لیے مختلف نشان اور علم مقرر کئے، خلفاء بنی امیہ نے سفید علم اور بنی عباس نے سیاہ علم اختیار کیا، موخر الذکر نے شقۂ علم پر سفید حرفون مین کلمۂ طیبہ بھی لکھوایا، علویون نے سبز علم اختیار کیا، اور زنگی (۴۹۹ھ تا ۲۵۵ھ) نے ریشمی پھریرے پر قرآن پاک کی کوئی آیت سرخ اور سبز حرفون مین لکھوائی، مصر کے فاطمی خلفاء (۲۹۶ھ / ۹۰۹ء تا ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے اپنے علم مین ہلال لگایا، اور سرخ و زرد حریر کا ایک شیر بھی اُس مین بنوایا، اندلس کے الموحدین (۱۱۵۹ء) نے بھی اپنے علم مین ہلال لگایا، لیکن ہلال مسلمانون نے سب سے پہلے اختیار نہین کیا، بلکہ ان سے پہلے روم کے عیسائی حکمرانون کے یہان ہلال موجود تھا، اور عموماً زیبایش کے لئے مستعمل تھا، اس کے ساتھ پانچ ستارے بھی زیب و زینت کے لئے بنائے جاتے تھے، مشہور یہ ہے کہ چاند دیوی کی ایک لڑکی (Persephone) تھی جس نے ہلال اختیار کیا تھا، اسی نے رومی سلطنت کی

بنیاد ڈالی تھی، لیکن اوہام پرستی کی ان خیالی داستانون سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو اتنا ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہلال زیبایش کے لئے بھی اختیار کیا جاتا تھا، صنعاء (یمن) کی ایک مسجد کے مینار پر ۱۲۶۰ء مین ہلال نصب کیا ہوا دیکھا گیا ہے،

ترکون نے جو اپنے علم کے لئے ہلال اختیار کیا ہے، اس کے متعلق انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (طبع یازدہم، جلد دہم ص ۲۳) مین یہ بیان ملتا ہے :-

"ترکی ہلال اور ستارہ (غالباً تھا) محمد دوم نے ۱۴۵۳ء قسطنطنیہ کی فتح پر بطور یادگار کے اختیار کیا تھا[1] کیونکہ یہ نشان وہان پہلے بھی تھا، بلکہ وہان کی رومی حکومت کے اثر سے تو روسی گرجاؤن مین اب تک صلیب کے ساتھ ہلال دیکھا جاتا ہے، اس کی ابتدا یون ہوئی، کہ سکندر اعظم کے والد فلپ (Philip) نے ایک شب قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوارین گرانی چاہین، تو چاند نمودار ہوگیا، اور محصورین کو پتہ چل گیا، چنانچہ اونھون نے اسے نیک فال سمجھ کر اپنی ملکہ ڈائنا (Diana) کے لئے شاہی نشان بنالیا، اور پورے چاند کے بجائے ہلال کو اختیار کیا جو غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ بڑھنے ابھرنے پر دلالت کرتا ہے، بہرحال ترکون نے اُسے بطور یادگار کے قائم کرلیا اور اُن کا شاہی علم سُرخ رنگ کا ہے، جس میں خلیفۂ وقت کی تصویر بھی ہوتی تھی"

ہیسٹنگز کی انسائیکلوپیڈیا (بحوالۂ مذکورۂ بالا) مین ترکون کے علم کے متعلق اس خیال کی تردید کی گئی ہے، "کہا گیا ہے کہ سلطان مراد اوّل (م ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) کے زمانہ میں جان نثار جماعت نے سُرخ علم اختیار کیا تھا، اور اسمین ہلال (بغیر ستارہ کے) بھی بنا ہوا تھا، یہی علم سلجوقی ترکون نے بھی اختیار کرلیا، اور اُس زمانے سے ترکی سلطنت مین قائم ہے"

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانون سے پہلے ہلال ضرور شاہی نشان مین جگہ پائے ہوئے تھا، ایران میں اسلام سے پہلے یزدجرد اور خسرو پرویز وغیرہ کے سکون میں بھی ہلال اور ستارے منقوش تھے، اور وہان جب

---

[1] عرصہ ہوا مین نے کسی تاریخ میں پڑھا تھا کہ قسطنطنیہ کی فتح کے وقت قلعہ مین ایک ٹوپی پڑی ہوئی ملی تھی، جس کو بطور یادگار کے ترکون نے اختیار کیا، اور وہ ترکی ٹوپی کہلائی، روم کی اس شاندار فتح کی خوشی ترکون کو کیون نہ ہوتی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بشارت دی تھی، ملاحظہ ہو، مشکوٰۃ، باب آلات الجہاد فصل اول حدیث نمبر ۱ ۳۶۸،

عرب عمال ۳۱ھ/۶۵۱ع سے اسلامی حکومت کے علمبردار ہوئے تو انھون نے بھی اپنے سکون مین دوسرے رائج نقوش کے ساتھ یہ نقوش قائم رکھے، اس تاریخ سے ہلال اور ستارے ہمارے یہان بھی رائج ہوگئے،

ایران کے نشان کے متعلق ایک مفید[2] مضمون "تاریخچۂ شیر و خورشید" (کسروی) طہران کے رسالہ "ارمغان" ستمبر اکتوبر ۱۹۳۲ء مین ملتا ہے، جس کا ضروری خلاصہ یہان پیش کیا جاتا ہے،

فاضل مضمون نگار نے پہلے شیر اور خورشید کی اہمیت بتائی ہے، کہ یہ زمین اور آسمان کی بہت نمایان شکلین مین اور شیر کا مترادف لوئی ([illegible]) فرانس، روم اور آرمینیہ کے متعدد حکمرانون کا نام تھا، اور اس نام کے بادشاہون نے اور بالخصوص آرمینیہ کے لوئی دوم نے اپنے سکون اور علم پر شیر کی تصویر بنوائی تھی، اسی لوئی دوم نے تیسری صلیبی جنگ مین عیسائیون کی مدد کی تھی، اُس کے صلے مین جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا نے اُسے تاج شاہی دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ ۱۱۹۰ء مین مرگیا تو اُس کے لڑکے نے روما کے پوپ سے سفارش کرکے اُسے ایک شاہی علم دلوادیا، جس مین شیر کی تصویر تھی، لوئی ششم نے خصوصیت کے ساتھ شیر کو اپنے خاندان کا شاہی نشان قرار دیا، اسی طرح خراسان کے مغلون نے اور ماژندران کے صفوی حکمرانون نے بھی اپنے سکون مین شیر کندہ کرایا،

بعض شعراء نے بھی علم کے شیر کے متعلق اشارہ کیا ہے، مولوی معنوی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ع) کا ایک شعر ہے :-

ما ہمہ شیریم و شیران علم　　حملہ مان از باد باشد دمبدم

فخر الدین اسعد گرگانی نے پہلوی سے فارسی مین "ویس و رامین" کا ترجمہ[3] پانچوین صدی ہجری کے آخر

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اورنٹیل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ ابعد [2] مکرمی پرنسپل محمد شفیع صاحب نے اس کی اطلاع مجھے دی تھی، اور میرے بزرگ استاذ پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی مدظلہ نے اس کی نقل مجھے بھجوائی تھی [3] حافظ محمود خان صاحب شیرانی نے اس ترجمے کی تاریخ ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ع دی ہے، ملاحظہ ہو رسالہ "اردو" دہلی جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۴،

مین اور ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ع) کے عہد مین کیا تھا، اُس کے چند اشعار یہ ہین، جو ساسانی عہد کے اعلام کی ضروری اطلاع دیتے ہین :-

چو سروستان شدہ دشت از درفشان　　چو دیبائے درفشان مہ درخشان

فراز ہر یکے زرین یکے مرغ　　عقاب و باز با طاؤس و سیمرغ

بزیر ماہ در شیر آبگون رنگ　　تو گفتی شیر دارد ماہ در چنگ

ہخامنشی عہد (۵۵۰-۳۳۰ ق-م) مین "خروس و مرغ زرین" کی تصویر علم پر تھی، لیکن ساسانی عہد (۲۲۶ء-۶۳۲ء) مین ضرور شیر اور ماہ رہے ہون گے، یہ نہیں ہوسکتا کہ شاعر نے ان اشعار مین اپنے عہد کے اعلام دیکھ کر اُس زمانے کے اعلام کا تخیل باندھا ہو، کیونکہ اُس کے ہم عصر سلجوقیون نے تو ہلال اختیار کرلیا تھا،

اسی طرح نظامی گنجوی کی مثنوی لیلی و مجنون جو ۵۸۴ھ/۱۱۸۸ع مین لکھی گئی اور اخستان بن منوچہر کے نام معنون کی گئی، ان مفید اشعار کی حامل ہے جو نوفل اور قبیلۂ لیلی کی جنگ کے متعلق ہین :-

خورشید درفش دہ زبانہ　　چون صبح دمیدہ دم نشانہ

گشتہ زمی از درم چو دریا　　سنگ ابلہ رو تر از ثریا (؟)

ہر شیر سیاہ کایستادہ　　چون مار سیہ دہان گشادہ

شیران سیاہ در دریدن　　دیوان سپید در دویدن

ان اشعار مین شیر والے علم کے متعلق اشارہ ضرور ملتا ہے، اور یہ یقین ہے کہ یہ اشارہ اُس خیالی جنگ کے متعلق نہین ہوگا بلکہ خود شاعر کے سامنے اپنے زمانہ کے علم کی تصویر ہوگی،

آگے چل کر مضمون نگار کہتا ہے کہ شیر کا تعلق آفتاب سے بھی ہے، کیون کہ وہ برجِ اسد مین ہے، اس لئے ان دونون کو ایک ساتھ جگہ دی گئی ہے، اور یہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ شاہ طہماسپ صفوی نے اپنے سکون مین شیر اور شمس کو محض اس لئے ساتھ کندہ کرایا تھا کہ اس کی پیدائش کے وقت (چہار شنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۹۱۹ھ)

(۲۸ جنوری ۱۲۱۵ء) آفتاب برج حمل میں تھا، پھر وہ "مختصر تاریخ دول" کا تذکرہ کرتا ہے، جس کا مصنف ایشیائے کوچک کے سلجوقی حکمران غیاث الدین کیخسرو (بن عز الدین کیکاؤس) کے بعد ہی ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں گذرا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ حکمران گرجستان کی ایک عیسائی حسینہ پر عاشق ہوا، اور اس کے ساتھ شادی بھی کرلی، لیکن اُس کی شیفتگی بہت بڑھی ہوئی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ اُس کی تصویر اپنے سکوں میں بنوائے، لیکن امراء نے اس کی موافقت نہ کی، اُس وقت اوس نے مجبور ہوکر اپنی محبوبہ کے آفتابی رخسار کی مناسبت سے مروج شیر کے ساتھ آفتاب کا اضافہ کردیا، چنانچہ اوس وقت سے یہ دونوں شکلیں ساتھ ساتھ سکوں میں کندہ ہونے لگیں، اور اس قسم کا کوئی سکہ ایسا نہیں ملا، جو اس سے زیادہ قدیم زمانے کا ہو،

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب "ایران کی جدید شاعری اور طباعت" میں سب سے قدیم روزنامہ "خلاصۃ الحوادث" مرتبہ آقا محمد باقر خان کے پہلے صفحے کا عکس دیا ہے، جس میں ایک شیر کی تصویر ہے، جس کے داہنے ہاتھ میں تلوار ہے، شیر کے اوپر سورج اور اس کے اوپر تاج ہے، یہ روزنامہ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء سے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء تک جاری رہا،

غزنوی علم

ہیسٹنگز کی کتاب (بحوالۂ مذکورہ صفحہ ۱۴۶) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے ہندوستان میں غلبہ ظاہر کرنے کے لئے ہلال اختیار کیا تھا، جو یہاں کے علم میں بھی ضرور قائم کیا ہوگا، چونکہ محمود اور اس کے جانشینوں کو عباسی خلفاء سے خاص عقیدت تھی، اس لئے ظاہر ہے، کہ یہ علم بھی ان کے علم کی طرح سیاہ ہی ہوگا، اس کے متعلق ثبوت پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ بغداد سے علم بھی آتے تھے، چنانچہ سومنات کی فتح پر خلیفہ القادر باللہ (م ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء) نے محمود کو القاب کے ساتھ علم بھی روانہ کیا، جس سے یہ مراد تھی، کہ اس علم کے متعلق جو ممالک ہیں، اُن میں محمود کی حکمرانی خلیفہ کو منظور ہے، فرشتہ لکھتا ہے:-

"...... دریں سال کہ سلطان از سفر سومنات برگشت خلیفہ القادر باللہ عباسی القاب نامہ سلطان محمود

[۱] خلاصۃ الاخبار (خواندمیر) ورق ۲۰۴ (الف) حبیب گنج، شاہ طہماسپ صفوی کا انتقال ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں ہوا،

نوشتہ لوائے خراسان و ہندوستان و نیمروز و خوارزم فرستاد، وسلطان و فرزندان و برادران اورا در نامہ لقبہا نہادہ، سلطان را کہف الدولہ والاسلام و امیر مسعود را شہاب الدولہ و جمال الملۃ و امیر محمد را جلال الدولہ و جلال الملۃ و امیر یوسف را عضد الدولہ و مؤید الملۃ خواندہ، و دیگر نوشت کہ ہر کرا تو ولی عہد گردانی ما نیز آن کس را قبول داریم....."[۱]

ظاہر ہے کہ جب خلیفہ کا علم سیاہ ہوگا، تو اسکا بخشا ہوا عَلَم بھی اُسی رنگ کا ہوگا،[۲] محمود غزنوی کے درباری شاعر فرخی (م ۴۲۹ھ/۱۰۳۸ء) نے اوس کے بھائی یوسف (سپہ سالار ہند) کی مدح کے ایک قصیدہ میں کہا ہے:-

چترِ سیہ درایتِ تو سایہ فگندہ ست در ہند ہر جائے کہ حصنے و حصاریست[۳]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمودی چتر سیاہ تھا،[۴] اور سیاہ کی صفت اغلب ہے کہ رایت کے ساتھ بھی ہو، کیونکہ محمود یقیناً عباسی خلیفہ کے زیر اثر تھا، جس کا علم سیاہ تھا، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ محمود کے نبیرہ سلطان ابراہیم (م ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء) کے علم میں شیر کی تصویر تھی، اس سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے، عُنصری (م ۴۳۱ھ/۱۰۴۰ء) نے اسی شیر کے متعلق محمود کی مدح کے ان اشعار

[۱] تاریخ فرشتہ، طبع لکھنؤ ص ۳۵ [۲] عباسی خلفاء سیاہ خلعت روانہ کرتے تھے، جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب خلافت اور ہندوستان کے صفحہ ۲۱، ۲۲ وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، عباسی خلیفہ کا ہودج بھی سیاہ ہوتا تھا، جیسا کہ خاقانی کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے: وان ہودج خلیفہ متوج بماہ وزر ❊ چون شب کز آفتاب نمی تاج بر سرش [۳] انتخاب فرخی لاہور ۱۳۵۴ھ ص ۲۵ [۴] سنجر سلجوقی کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ اس شعر میں ہے: چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ❊ با فقر گر بود ہوس ملک سنجرم [۵] ماس ولیم بیل نے مفتاح التواریخ آگرہ ۱۸۴۹ء (ص ۶۹) میں لکھا ہے کہ یہ شعر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) کا ہے اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سنجر (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) اُن کا ہم عصر تھا لیکن حمیدیہ لائبریری بھوپال کے انتخاب شعراء متقدمین (نمبر ۳ - ورق ۲۴۳ ب) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر عراقی (م ۶۸۸ھ/۱۲۸۹ء) کا تھا،

میں اشارہ کیا ہو :-

برون برد علم تو ز مغز شیران ہوش — برون برد کرم تو ز روے پیران چین

بدیع نقطۂ تو ذرات وانتخار صدف — بزرگ پاس تو شیر است روزگار عرین[1]

لیکن مجھے کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا جس سے یقینی طور پر یہ کہا جائے کہ محمود کے علم میں بھی شیر کی تصویر تھی، بلکہ اوس کے درباری شعرا بالخصوص فرخی، عنصری اور منوچہری نے کئی جگہ اس کی "شیر شکاری" کا تذکرہ کیا ہے، لیکن جہان تک مجھے معلوم ہے کہیں ان شاعرون نے محمودی علم کے شیر کے متعلق کوئی صاف تشبیہ یا استعارہ تک پیش نہیں کیا۔[2]

اب اوس کے پوتے ابراہیم کے علم کے متعلق ابوالفرج رونی کے یہان وضاحت دیکھئے، جو اُس کی مدح میں کہتا ہے :-

چو شیر رایت شیر دلیر او بیدل — چو شاخ آہو شاخ درخت او بے بر[3]

اُس کے بیٹے مسعود سوم (م ۵۰۸ھ / ۱۱۱۵ء) کے متعلق بھی یہی بات ملتی ہے، اور وہی شاعر کہتا ہے :-

در جہد پاس او بہ شیر فلک — اگر اندر شود بہ شیر علم[4]

یہی شاعر مسعود سوم کے بھائی سیف الدولہ محمود کے متعلق بھی اسی طرح کہتا ہے :-

چندان علم شیر برافراشت کہ بیفزود — زایشان بفلک برج اسد بے عدد اشکال[5]

مسعود سوم کے بیٹے شیرزاد (م ۵۰۹ھ / ۱۱۱۶ء) کا علم بھی ایسا ہی تھا، مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء) نے

---

[1] دیوان عنصری، لکھنؤ ۱۹۲۲ء ص ۹، ۵۰۔ [2] اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصر کے فاطمی خلفاء کے علم میں شیر تھا، اگر محمود کو اس بات کا علم رہا ہوگا، اور یقیناً ہوگا، تو اوس نے ہرگز اپنے علم میں شیر کو جگہ نہ دی ہوگی [3] دیوان رونی، چاکین ایڈیشن ص ۷۱، رونی کی تاریخ وفات ۴۹۲ھ / ۱۱۰۴ء کے بعد قرار دی ہے، ملاحظہ ہو اورنٹیل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۳۶ء ص ۵۵ [4] دیوان رونی ایضاً صفحہ ۹۰ [5] ایضاً ص ۔۔۔

اُس کی مدح میں کہا ہے :-

خشت او بس کہ کرد شیران کم — شیر گردون بماند و شیر علم[1]

مسعود سوم کے دوسرے[2] بیٹے بہرام شاہ کے عَلم میں بھی شیر تھا، سنائی (م ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء) کہتے ہین :-

ہر کجا شاہ ما بتافت عنان — شیر رایات او شود ہمہ جان

رائے رایان بہ تیغ کردہ قلم — نیزہ را شیر کردہ شیر علم[3]

بہرام شاہ کے درباری شاعر سید حسن غزنوی (م ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے بھی اُس کے علم کے متعلق یہی کہا ہے :-

آن چنان شیر علم سر بفراز دمثل — گوئی از چشمۂ خورشید کند آب خوری

زندہ از باد شود بیدہ چون شیر علم — تکیہ بر خاک مکن خیرہ چون نقش ایوان[4]

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ محمود نے ہلال اختیار کیا تھا، جو یقین ہے کہ اُس کے اخلاف نے بھی قائم رکھا ہوگا، جس طرح کہ بہرام شاہ کے متعلق وہی شاعر کہتا ہے،

ماہ اگر گشتے زمانہ رایت او بہرہ ور — مہر اگر بودے زمانہ رایت او پایدار

رباعی:- بگذشت ہلال رایت شاہ از ماہ — من پائے بگل دو دست کوتاہ از جاہ

دور افتادم بقصد بدخواہ از راہ — اے شاہ ز بندہ دور کن کاہ از کاہ[5]

---

[1] دیوان مسعود سعد سلمان، طہران ایڈیشن، ۱۳۱۸، صفحہ ۵۶۳ [2] بہرام شاہ کی تاریخ وفات ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء ہی صحیح ہے، میں نے اس بادشاہ کی مکمل تاریخ لکھی ہے، جو انشاء اللہ جلد شائع ہوگی [3] حدیقہ، بمبئی ایڈیشن، صفحہ ۴۰۴، اور لکھنؤ ایڈیشن صفحہ ۶۵۹، مترتباً [4] انڈیا آفس، مخطوطہ نمبر ۹۳۱، ورق ۴۴ (الف) اور ۱۲۸ (ب) مترتباً [5] ایضاً ورق ۱۰۲ (ب) اور ۱۰۱ (ب) مترتباً، بہرام شاہ کے پوتے خسرو ملک (م ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء) کے سکون میں ہلال اور ایک ستارہ تھا، اور روجرس کی کتاب (Coins of The Indian Museum) جلد چہارم (کلکتہ ۱۸۹۶ء) صفحہ ۱۹۱ ملاحظہ ہو، اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ بہرام شاہ اور اس کے بھائی ملک ارسلان وغیرہ کے (ہندوستانی) سکون میں

اور جس طرح کہ محمود کا علم سیاہ تھا، بہرام شاہ کا علم بھی سیاہ تھا، چنانچہ وہی شاعر کہتا ہے:-

اے رفتہ زمین برایتِ او ۔۔۔ دیدہ بحمایتِ سیاہی

بہرام شاہ ای شاہ کہ از رایت شبرنگ ۔۔۔ در کوکبہ چون لفِ بتان ماہ گرفتی[۱]

فرخی کے کلام سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محمود کا چتر سیاہ تھا، سید حسن غزنوی کے ذیل کے اشعار بتاتے ہیں کہ بہرام شاہ کا چتر بھی سیاہ تھا، اور اس کا تاج سفید تھا:-

مگر ز چتر تو شام سیاہ گردون خواست ۔۔۔ چو فرِ تاجِ تو صبح سپید کار گرفت

رتبتِ چترِ سیاہت چیست مرغِ روز کو ۔۔۔ لاجرم تا شد ہمہ چشمش سپید از انتظار

روزے کہ برنہی تو تاجِ سپید ہ دم ۔۔۔ گیرد کنار سایۂ چترِ سیاہ را

ملک دگر دار امید زان کہ بدادت نوید ۔۔۔ صبح ز تاجِ سپید، شام ز چترِ سیاہ

از تاج تست عکسے صبح سفید پوش ۔۔۔ وز چتر تست خالے شام سیاہ دار[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۷) گائے کی تصویر اور اس کے اوپر ہندی خط میں "شری سمنت دیو" کندہ تھا، ہم نے تانبے کے یہ سکے حافظ محمود شیرانی صاحب کے یہاں لاہور میں دیکھے ہیں، یہ مسلمانوں کی رواداری کی شاندار مثال ہے [۱] انڈیا آفس مخطوطہ ۹۳۱ ورق ۱۱ (ب) تقریباً سبھی غزنوی سلاطین کے سکوں میں (خصوصاً وہ جو غزنین وغیرہ میں رائج تھے) خلیفۂ وقت کا نام بھی کندہ ہوتا تھا [۲] مخطوطہ مذکورہ - ورق ۲۰ (ب) ۲۲ (الف) ۱۱۳ (ب) - ۱۴۰ (الف) اور پیرس کا مخطوطہ سپلیمنٹ نمبر ۷۹۵، ورق ۱۰ (ب)۔ غالباً بہرام شاہ کے بھائی ملک ارسلان کی تاریخ معارف (نومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء) میں پیش کر چکا ہوں، اس کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ مسعود سعد سلمان (دیوان صفحہ ۶۶۴-۷۹۰) نے کہا ہے،

گو ید سپہر باشد دولت سپید روے ۔۔۔ تا ہست چترِ ملک ملک ارسلان سیاہ

روے دولت سپید و قصر سپید ۔۔۔ روزِ دشمن سیاہ و چتر سیاہ

سفید تاج کے متعلق بھی اشارہ ملتا ہے،

آداب الحرب (لاہور مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے والد مسعود سوم کے چتر پر باز تھا،

مسعود سعد سلمان نے بھی بہرام شاہ کے سیاہ چتر کا تذکرہ کیا ہے:-

آن خنجر زدودش دولت فزائے گشت ۔۔۔ روے عدوے او شدہ چون چتر او سیاہ[۱]

یہ ہے غزنوی چتر اور علم وغیرہ کی تفصیل، اگر دوسرے مسلمان حکمرانوں کے شاہی لوازمات کی تفصیل دیکھنی ہو تو ذیل کے حاشیے[۲] کی کتابوں میں بھی بہت کچھ معلومات بہم پہنچائیں گی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۸) ہم پچھلے حاشیہ پر دیکھ چکے ہیں، کہ سنجر کا چتر سیاہ تھا، انوری (کلیات، لکھنؤ ۱۸۸۰ء صفحہ ۱۰۳) نے سنجر کے چتر کے باز کا تذکرہ کیا ہے،

سلطان سلاطین کہ باز چترش ۔۔۔ در معرکہ سلطان شکار باشد

لیکن حمیدیہ لائبریری کے انتخاب شعرائے متقدمین نمبر ۳ ورق ۲۵۵ (ب) میں اس شعر میں "باز چترش" کے بجائے "شیر چترش" ہے۔

[۱] بدایونی کلکتہ ۱۸۶۸ء جلد اول صفحہ ۴۳ [۲] مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی کے کرم سے اور معارف کی علم نوازی کی بدولت مختلف مسلمان حکمرانوں کے تخت، چتر، تاج و علم وغیرہ کے متعلق معلومات صبح الاعشیٰ ج ۳ (ص ۴۴۲، ۴۷۹، ۵۲۲) ج ۴ (ص ۶-۸) ج ۵ (ص ۲۰۶، ۳۲۲) میں سے اور مقدمہ ابن خلدون (ص ۲۸۴-۲۸۵) اور خطط مصر مقریزی کا جلد ۳ (ص ۳۴۰-۳۴۲) وغیرہ سے معلوم ہوں گی، صبح الاعشیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن تغلق کے سر پر سیاہ علم ہوتے تھے جن کے درمیان ایک سنہری اژدہا بنا ہوتا تھا، اور اس کے میسرہ میں سرخ علم ہوتے تھے، جن میں دو سنہری اژدہے بنے ہوتے تھے، جنگ میں سلطان پر سات چتر ہوتے تھے، امیر خسرو کی مثنوی مفتاح الفتوح (اورنٹیل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۱، ۲۶ وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے، کہ جلال الدین فیروز شاہ کا چتر سیاہ تھا، اور علم میں ہلال تھا،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصالِ مقدمات کے متعلق قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے ضخامت ۹۲ صفحے قیمت: ۱۲

"مینیجر"

تصحیحِ فکر[1]

از

جناب میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

اس مختصر مقالہ سے میرا مقصود فکر کی اہمیت کو واضح کرنا ہے، جو فلسفہ کا آلہ ہے، بتایا گیا ہے کہ افکار ہی سے اعمال وافکار کا تعین ہوتا ہے، اور افکار ہی اعمال کے ذریعہ ہماری قسمتوں کا تعین کرتے ہیں، فلسفہ جو تصحیح فکر کا دوسرا نام ہے قسمتوں کے ڈھالنے کا ایک زبردست آلہ ہے، ایسے اہم اور مفید مضمون کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو اپنی فکر کو پختہ کرکے اپنی قسمت کا آپ معمار بننا چاہتا ہے، اور اپنی فکر کو خام رکھکر انسان سے حیوان بننا نہیں چاہتا، جیسا کہ اقبال نے کہا تھا ؎

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی | رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار | انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ"

اے برادر تو ہمین اندیشۂ | مابقی استخوان و ریشۂ

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی | ور بود خارے تو ہمہ گلخنی (رومیؒ)

افکار وخیالات ہی سے مقاصد وغایات کا تعین ہوتا ہے، مقاصد کردار، افعال واعمال مین ظہور پذیر ہوتے ہین، افعال ہی کی تکرار سے عادت قائم ہوتی ہے، عادات کی تنظیم وترتیب سے سیرت تشکیل پاتی ہے، اور سیرت ہی ہماری قسمت کا تعین کرتی ہے جیسی سیرت ویسی قسمت . لہذا جیسے خیالات ویسی کائنات انا عند ظن عبدی بی

[1] یہ مقالہ بزم فلسفہ کی کرسی نشینی کے موقع پر پڑھا گیا جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے شعبۂ فلسفہ کی بزم مباحثہ ہے،

یہ قانون ذہن کے دائرہ مین وہی صداقت واہمیت رکھتا ہے جو قانون تجاذب دائرۂ فطرت مین قطعی ویقینی! جب سیرت اور قسمت کی تشکیل وتعیین مین افکار وخیالات ہی کی کارفرمائی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے اپنے افکار وخیالات کی اصلاح اس کا اپنا نہایت اہم فریضہ ہے، قوم سازی اور فرد کی روح کی تکمیل اصلاحِ خیال پر منحصر ہے؛

ع یک تنقیۂ دماغ می باید کرد

مقاصد وغایات کا دائرہ ذہنِ انسانی ہے، انسان کا کوئی فعل مصلحت وغایت سے خالی نہین ہوتا، اب مقاصد کا تعین غور وفکر سوچ اور بچار پر منحصر ہے فکر ہی کائنات کی سب سے زیادہ عظیم الشان قوت ہے، اور یہی ان دونون انسان مین سب سے زیادہ غیر تربیت یافتہ قوت ہے، اس کی تربیت ہی کے متعلق مجھے یہان کچھ کہنا ہے،

فرض کیجئے کہ آپ کو ایک باغ لگانا ہے، اس کے لئے آپ کو چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا، جن کو باغبانی کے قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ دریافت کرنی ہے کہ باغ لگایا کہان جائے، پھر اس جگہ کو مسطح اور خس وخاشاک سے پاک کرنا ہوگا، یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے، پھر ہمیں پھولون یا ترکاریوں کے بیج کا انتخاب کرنا چاہئے، اور اس عمدگی سے تیار کی ہوئی زمین مین انھین بونا چاہئے، ہمین اس امر کا بھی خیال رہے کہ بیج عمدہ ہین، ناقص نہیں، پھر موسم گرما میں ان بیجون کو پانی دینا پڑتا ہے تاکہ شدت تمازت انھیں جلا نہ ڈالے، اب ہمین انتظار کرنا پڑتا ہے، کہ وقتِ مقررہ گذر جائے اور بالآخر گل تر رونمائی کرے، اگر بے صبری سے ہم بیجون کو کھود کر دیکھنا چاہین، کہ یہ جل تو نہیں گئے، تو پھر ان بیجون کو نشو ونما کا موقع نہین ملے گا، بعض دفعہ ہمین کچھ زیادہ دن انتظار کرنا پڑتا ہے، لیکن اگر ہم نے زمین کو خس وخاشاک سے اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجون کے انتخاب مین غلطی نہیں کی، آبیاری کی ہے، تو ہمین یقین ہے کہ ایک دن زندگی دامن زمین چیر کر پودون کی شکل مین جلوہ افروز ہوگی، اسی زمانہ مین ہمین یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ باد وباران، آفتاب وحرارت بیجون کے نشو ونما کے لئے ضروری ہے، طوفان تک انھین نقصان نہین پہنچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں، ساری کائنات اور کائنات کی ساری قوتین ان کے ساتھ اشتراک عمل کر رہی ہین !!

فرض کرو کہ انتظار کی مدت بحمد اللہ گزر گئی، باریک بیجون نے خوش رنگ و دلفریب لالہ و یاسمن کی شکل اختیار کی، فطرت کا زبردست لیکن مانوس معجزہ ہماری آنکھون کے سامنے پیش ہوا، شروع ہی سے ہم جانتے ہین، اور یہ علم مرتبہ یقین تک پہنچا ہے کہ جس پھول کا بیج ہم نے بویا ہے، وہی پھول والا پودا رونما ہوتا ہے، اور ہزارون باریکیون کے ساتھ اپنے اندر ان تمام چیزون کا اعادہ کرتا ہے، جو اس پودے میں پائی جاتی ہین جس کا یہ بیج ہے، کیا اس بیج کو اصلی پھول کی بھولنے والی صورت "یاد" رہتی ہے؟!

پھول کی غایت تخلیق سے تو ہم واقف نہین، لیکن اتنا ضرور جانتے ہین کہ یہ ہمارے دل کا سرور آنکھون کا نور ہے، کسی کے پاکیزہ الفاظ مین ہم اس کو "ربیع قلبی، نور بصری، جلاء حزنی، ذہاب ہمی" کہہ سکتے ہین،!

باغبانی کے یہ قواعد تو آپ سب جانتے ہی ہین، کوئی بات نئی نہین، لیکن میری دانست مین نئی بات جو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہون، وہ یہ ہے کہ بالکل انہی قواعد و قوانین کے استعمال و پابندی سے آپ دنیا کی تمام حسین و خوشگوار چیزون کو حاصل کر سکتے ہین، جو زندگی کے بیج مین مستور ہے وہی ہم میں سے ہر ایک مین موجود ہے، ان چیزون کے حصول کے لئے ہمین زندگی کی ویسی ہی خدمت کرنی پڑتی ہے جیسی کہ ان پھولون کے بیجون کی ہم نے کی تھی،

دلفریب پھولون کے لئے آپ نے خارج (عالم اکبر) میں باغ لگایا تھا، شادمانی و مسرت کے حصول کے لئے آپ کو باطن (عالم اصغر) میں باغ کے لئے زمین تیار کرنی ہے، شاید آپ کو علم نہیں کہ اس کا محل وقوع ٹھیک کہان ہے؟ یہ باغ آپ کو اپنے "میدان فکر" میں لگانا ہے، کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم مین سے ہر ایک کے ہان ایک عظیم الشان میدان فکر، موجود ہے، جس کی وسعت کو ارض و سما نہیں پا سکتے، صرف ہمارا دل ہی اسکو سما سکتا ہے!! افسوس ہو کہ یہ میدان خس و خاشاک سے پٹا پڑا ہے! جانتے ہو کہ یہ خس و خاشاک ہے کیا؟ وہی سلبی افکار و خیالات جن کو مختصر طور پر شر انگیز یا غلط خیالات کہنا کافی ہوگا، واقفان راز کا اصرار ہے کہ یہی ہمارے تمام مصائب و آفات کا سرچشمہ ہین! ان سے ذہن و قلب کو پاک و صاف کرنا چاہئے! اس راز کو سمجھنے کے لئے اس نفسیاتی قانون

پر غور کرو جس کا ہم نے ابتدا ہی مین ذکر کیا ہے، افکار و خیالات ہی سے ہم زندگی کے مقاصد کا تعین کرتے ہین، اب یہ مقاصد ہی محرک بن کر ہمین عمل پر آمادہ کرتے ہین، اعمال کی تکرار عادات راسخہ کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اور سیرت سوائے ان عادات راسخہ کے منظم مجموعہ کے کوئی اور چیز نہین اور ہماری سیرت ہی ہماری قسمت کا دوسرا نام ہے! سلبی خیالات فاسد مقاصد کا تعین کرتے ہین، ان ہی سے تو شر کا صدور ہوتا ہے، شر کا ارتکاب عادت بنکر سیرت بد کی تشکیل کرتا ہے، اب میکانکی طور پر بغیر غور و فکر کے شر ہی کا صدور ہونے لگتا ہے، اور شر کے نتائج و ثمرات سے ہم سب واقف ہین: درد و رنج، غم، الم، حزن و یاس!

میدان فکر کا سلبی خیالات کے خس و خاشاک سے پاک ہونا ضروری ہے، اور نیک خیالات کی تخم ریزی لازمی، سلبی خیالات کو دور کرنے کا طریقہ ان سے جنگ کرنا نہین، ان کا زور مردافگن ہوتا ہے، جب ہم ان سے مقابلہ کرتے ہین، تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے، اب حیات (یا چشمۂ حیات) کا بہاؤ توجہ کی طرف ہوتا ہے، بالفاظ دیگر، اگر ہم کسی گناہ یا شر کی جانب توجہ کرین، اس کے استیصال کی خاطر ہی، تو زندگی کی تمام قوتین اس کی جانب رخ کرتی ہین، اس طرح اس کی طاقت مین اضافہ ہوتا ہے، مثلاً اگر ہمین بے خوابی کا مرض ہے تو ہم جس قدر اس کے متعلق فکر کرین گے، اور اوس کو دور کرنا چاہین گے، بالفاظ دیگر اس کا مقابلہ کرین گے اسی قدر یہ تکلیف زیادہ ہوتی جائے گی، اس کے برخلاف اگر ہم اس کو بالکل بھول جائین تو ہم ٹھنڈی نیند سو جائین گے اسی طرح شر کے مقابلہ سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور توجہ سے اس کی قوت مین اضافہ ہوتا ہے،

شر کا مقابلہ خیر سے کرنا چاہئے، ظلمت کا مقابلہ نور سے، ظلمت کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہئے، ظلمت کا مقابلہ ظلمت سے کرنا، "ظلمات فوق ظلمات" کا مصداق بنتا ہے، اگر تمھین[1] نفرت کو دور کرنا ہو تو محبت کا تصور کرو،

---

[1] احادیث میں خطرات و وساوس کو دور کرنے کے لئے بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے، اوپر جو علاج پیش کر رہے ہین، اس کا استنباط ان ہی احادیث سے کیا گیا ہے، جو عجیب الاثر نفسیاتی طریقہ ہے،

خوف کو دور کرنا ہو تو شجاعت وہمت پر نظر جماؤ، خود غرضی کے بجائے ایثارِ نفس کا خیال رکھو، اسی طرح تمھین غفلت کے بجائے علم، بیماری کے بجائے صحت، کج خلقی کے بجائے خوش خلقی، شکایت کے بجائے صبر وشکر، خلق کی جبہ سائی کے بجائے رازقِ مطلق کا خیال اپنے ذہن مین جمانا چاہئے، تمھارا معروضِ فکر جو ہوگا، رفتہ رفتہ وہی تم بھی بن جاؤگے،

یہی معنی ہین جامی سائیؒ کے اس قول بلیغ کے ؎

گر دو دل تو گل گزرد گل باشی	در بلبلِ بے قرار بلبل باشی !
تو جزوی وحق کل است گر روزی چند	اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی !

اسی فکر کے ایک دوسرے اعتبار پر غور کرو، دنیا مین وہی چیز بُری ہے جس کو ہم بُرا سمجھتے ہین، اگر ہم اس کو بُرا نہ سمجھین تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے جسم کو آزار پہنچائے، لیکن وہ ہمارے قلب کو چھو نہین سکتی، یاد رکھو دنیا مین ہر چیز کی قیمت رائے پر منحصر ہے، اور رائے تمھارے اختیار مین ہے، جب چاہو اسے کو ترک کردو، پھر اس ملاح کی طرح جس نے اپنے جہاز کو سمندری پہاڑیون سے بچا نکالا ہو تمھیں ہر طرف سکون نظر آئے گا، اگر تم اپنی رائے کو ترک کردو تو پھر یہ شکایت باقی نہ رہے گی، کہ ہائے مجھے نقصان پہنچا، اس شکایت کو ترک کردو کہ ہائے مجھے نقصان پہنچا تو نقصان خود باقی نہ رہے گا، اسی لئے کہا گیا ہے کہ "عقلمند آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کسی خوش قسمتی کا محتاج نہین"۔

خیالات کا ماحول پر اثر ناقابلِ انکار ہے، خیالات کی پختگی اور قوت انسان کی روح کو سخت جسمانی تکلیف مین بھی مطمئن اور قوی رکھ سکتی ہے، ارادہ نتیجہ ہے توجہ کا یعنی خیال وفکر کا، جن خیالات کا اظہار انسان عمل مین کرنا چاہتا ہے، ان ہی پر توجہ کو مرکوز کرتا ہے، انھی کو ذہن مین دہرتا ہے، الٹتا ہے پلٹتا ہے، ان ہی سے اس کے ذہن کی فضا مملو ہوتی ہے، اور یہی خیالات عالمِ آثار مین عمل کی صورت اختیار کرتے ہین، خیال حقیقت ہے، عمل اس کا ظہور ہے، ولیم جیمس نے سچ کہا ہے "زندگی کا سارا ڈرامہ ایک ذہنی ڈرامہ ہے ساری شکل ذہنی شکل ہے"۔

میدانِ فکر کو خس وخاشاک سے پاک کرکے نیک خیالات کی تخم ریزی کرو، باغبانی کے بیجون کی طرح خیالات کے انتخاب مین بھی حزم واحتیاط ضروری ہے، اور جس طرح بیج کو پودے کی شکل مین نمایان ہوتے کچھ عرصہ لگا تھا،

اور تمھین انتظار کرنا پڑا تھا اسی طرح خیالات کو قلب مین تغیر پیدا کرنے اور ہر نیک عمل مین ظاہر ہوتے دیر لگتی ہے، تمھین پست ہمت نہ ہونا چاہئے اور نہ رنجیدہ، اگر تم نے اپنا کام قاعدے کے موافق کیا ہے، خس وخاشاک کو صاف کیا ہے، نیک خیالات کے بونے مین احتیاط برتی ہے، تو شادمانی ومسرت، طمانیت وبیدار قلبی سرور وکیف دہ کلیاں شاداب ہین جو نتیجہ کے طور پر تمھین حاصل ہون گے،

ان حقائق سے واقف ہونے کی وجہ سے عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں اوس کا کوئی دشمن نہیں، اگر اوس کا کوئی دشمن ہے تو خود اس کا نفس ہے، اَعْدَیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ (البیہقی مین حدیث ابن عباسؓ) اس لئے نہ وہ کسی پر ملامت کرتا ہے، اور نہ کسی کی مذمت، بردقلبی کے ساتھ محاسبۂ نفس کرتا ہے، صبر وسکون کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتا ہے، صرف یہی نہین کرتا بلکہ کسی مزید قرض مین مبتلا ہونے سے پرہیز کرتا ہے، وہ اپنے خیالات پر نظر رکھتا ہے، قلب کا دربان بن جاتا ہے، اور یا سلبی خیال کو داخل ہونے نہین دیتا، داخل ہو جائے تو فوراً نیک یا ایجابی خیال کو اس کی جگہ لے آتا ہے، اپنے افعال کو بے عیب بناتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حال نتیجہ ہے ماضی کا، قسمت نتیجہ ہے خیالات کا !

کامل گوید جہان تمام واہل است	ناقص گوید کہ کوتہ است وسہل است
شطرنج ہمان عرصہ ہمان رخت ہمان	این بردن وباختن زعلم وجہل است

(سحابی استرآبادی)

اسلامی قانون فوجداری

مولانا سلامت خان المعروف بہ خدا اقت خان کی کتاب الاختیار کا ترجمہ جس مین تمام تعزیرات وجرائم کے متعلق پندرہ ابواب مین اسلامی قانونِ فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کی گئی ہین، قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے، ضخامت ۵۲ صفحے قیمت عہ

منیجر

عہدِ مغلیہ کے دو پروانے

از

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدر آباد

رسالۂ معارف ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء مین عنوان مندرجۂ بالا کے تحت جو جواب معارف کی جانب سے شائع ہوا ہے، سطور ذیل مین اس کے متعلق بعض امور واضح کئے جاتے ہین،

واضح ہو کہ سلطنتِ آصفیہ مین گذشتہ ڈیڑھ صدی تک جو آئین ریاست اور نظم ونسق رائج تھا، وہ مغلیہ اصول کے مطابق تھا، معاشون کی عطاؤن کی بحالی اور ضبطی اور طریقہ کارروائی سب کے سب بالکلیہ مغلیہ اصول کے پابند تھے، اس لئے انھی امور کی روشنی مین زیر بحث پروانون پر مزید غور کیا جائے تو نامناسب نہین ہوگا،

اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ دورِ مغلیہ مین معاشون کی عطا بذریعۂ "فرمان" یا پروانہ ہوتی تھی، سند یا تصدیق نامہ کے ذریعہ معاش عطا نہیں کی جاتی تھی، "پروانچہ" کے نام سے بھی مغلیہ عہد کے کاغذات موجود ہین، پروانچہ، پروانہ کی تصغیر ہے، اور بلحاظ وجاہت شخصی پروانہ اور پروانچہ کا اجرا ہوتا تھا،[1]

جو عطا بادشاہ یا دیوان کے حکم سے ہوتی تھی، وہ عطیۂ سلطانی سے موسوم ہوتی، اور زیادہ موثق اور دیرپا تصور کیجاتی، جاگیردار یا بعض صوبہ دار جو معاش اپنی جاگیر یا اپنے علاقہ مین عطا کرتے تھے، تو وہ اس کی سند خود دیتے تھے، لیکن بعد مین اکثر اس کی توثیق شاہی بھی ہو جاتی تھی، اور اب یہ عطیۂ سلطانی

[1] دفتر دیوانی حیدرآباد مین مغلیہ عہد کے کاغذات بھی موجود ہین،

ہو جاتی، جو وثیقہ اس عطا کا جاری ہوتا، اس کی عبارت مین اس امر کا بھی اظہار کر دیا جاتا کہ معاش اولاً کن کی عطا کردہ تھی،

اگر عطا کے وثیقہ (فرمان، پروانہ، سند) مین نسلاً بعد نسلٍ یا دوام کے الفاظ درج نہ ہوتے تو عموماً معطی لہ کے مرنے کے بعد معاش ضبط ہو جاتی تھی، اور اس کے بعد دوبارہ اس کے فرزند اکبر یا وارث کے نام تجدید ہوتی اور یہ تجدید پھر ذریعہ فرمان، پروانہ یا سند ہوتی تھی، گویا معاش کی تحقیقات ہو کر دوبارہ بحالی ہوتی،

اراضی معاش کے لئے ایک مرتبہ عطا ہو جانا کافی ہوتا تھا، لیکن نقدی معاش یعنی یومیہ، سالیانہ اور معمول کے لئے ہر سال دفتر دیوان سے جدید احکام کی ضرورت ہوا کرتی تھی، ہر سال اس قسم کی معاش کے لئے سرکاری حکم نافذ ہوتا تھا،

اس وضاحت کے بعد اب اگر فرمان نصرت جنگ کے متعلق غور کرین تو معلوم ہو سکتا ہے کہ قاضی شاہ بدر الدین کو کارکنان اور محمد شفیع خان نے جو معاش عطا کی تھی، اس کی توثیق عطیۂ سلطانی کی حیثیت سے ہوئی، گر اس فرمان کے باعث ان کی عطا شاہی عطا ہو جاتی ہے، یہ تصدیق نامہ نہین، بلکہ دراصل فرمان یا پروانہ ہی ہے،

اسی طرح دوسرا پروانہ ایک احکام یا سرکاری مراسلہ کی حیثیت رکھتا ہے، چار فلوس یومیہ مسجد کے تیل کے اخراجات کے لئے جاری ہوا ہے،

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے پروانے یا احکام ایک اصولی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے معارف کا یہ خیال صحیح نہین ہے کہ

"ان تصدیق نامون سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلقہ کے عمال حکومت قاضی صاحب موصوف کو بار بار پریشان کرتے رہتے تھے، اس لئے قدیم عطایا کی تصدیق دوبارہ کرائی گئی، چنانچہ اسی تصدیق کے لئے عہدِ عالمگیری مین وہ پروانہ صادر ہوا، پھر امتدادِ زمانہ سے جب عمال نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی تو عہد محمد شاہی مین جدید تصدیق نامہ جاری ہوا"

چنانچہ خود اسی امر سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہر سال سند مجددونہ طلب کرنے کا تذکرہ آخری پروانہ میں کر دیا گیا ہے، یعنی اس پروانہ کے بعد دوبارہ اوس کی تجدید کی ضرورت نہین رہی،

معارف: لفظ تصدیق نامہ بطور اصطلاح استعمال نہین کیا گیا تھا، بلکہ بطور مفہوم تھا کہ اس فرمان یا پروانہ شاہی سے سابق عطا کردہ پروانہ کی توثیق و تصدیق ہی مقصود تھی، انہین "فرمان" کے بجائے "تصدیق نامہ" سے خاص طور پر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مستفسر کی خدمت مین یہ اشارہ کیا جا سکے، کہ ان کے ان مراسلہ فرامین کے ذریعہ قاضی بدر الدین کو اراضی معاش پہلی مرتبہ عطا نہیں کی گئی تھی، بلکہ وہ فرامین جو ان سے پہلے کے ہین، "جنھین مستفسر نے ارسال نہین کیا تھا، در اصل ابتداءً انہی کے ذریعہ اراضی عطا ہوئی تھی، اس لئے آخر مین کہا گیا تھا کہ

"اب اگر اصل پروانہ آپ ارسال کرین تو اس کی صحیح تاریخ متعین کیجا سکتی ہے"۔

ورنہ ظاہر ہے کہ عطیات کے لئے فرامین ہی جاری ہوتے تھے، اور وہ اصطلاحاً فرمان ہی کہے جائین گے،

"س"

عرب کی موجودہ حکومتین

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانون کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصون اور حکومتون کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب مین عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتون نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی تسعہ، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیے گئے ہین،

ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہر

منیجر دار المصنفین

اِستِفسار و جواب

فنِ تصوّف

اور

محدثین و صوفیہ مین تطبیق کی راہ!

جناب عبد الرحمٰن صاحب متعلم
پرنس آف ویلز کالج جموں (کشمیر)

محترمی جناب سید صاحب مدفیوضہ
السلام علیکم

جب سے آپ کی ذاتِ گرامی سے غائبانہ تعارف ہوا ہے اُسی وقت سے یہ شوق دامنگیر رہا ہے کہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ آپ سے کچھ استفادہ کیا جائے،

اپنے دینی شعور کی ابتدا ہی سے مین نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ مین کتاب و سنت ہی کو معیارِ حق اور دلیلِ راہ بنایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ فقہی مسائل مین مسلمانون مین جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہون، اور ان مسائل مین "اہلِ ظاہر" اور "اصحابِ رائے" کے بین بین کی راہ یعنی فقہائے محدثین" یا "اصحابِ حدیث" کے مسلک کی ترجیح کا قائل ہون، لیکن جو اختلاف محدثین اور صوفیائے کرام مین پایا جاتا ہے، اس کی حقیقت کے سمجھنے مین ابھی تک پریشان ہون، "اس الجھن سے نکلنے کے لئے سیرت نگار رسول ہی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے، اور وہ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کے حالات و کیفیات کے بیان کرنے مین محدثین عظام "

صوفیائے کرام میں کس کی ترجمانی زیادہ صحیح ہے؟ اور آپؐ کی پاک زندگی کے اس شعبہ کے علم و عمل کے جاننے
میں کون سا گروہ حقیقت کے زیادہ قریب پہنچ سکا ہے، اور ان میں سے کس جماعت کا راستہ حق کا
راستہ ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ ہی افراط و تفریط سے نہیں بچ سکے، تو اہلِ حق کون ہیں، اُن
اصحابِ اقتصاد کا طریق کیا ہے؟ اور اس مسلک کے ائمہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسی سوال سے متعلق
چند ایک سوالات ہیں جنھیں نمبروار درج کرتا ہوں!

۱۔ الاحسان (الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ الحدیث) کی غایت کیا ہے؟

۲۔ کتاب اللہ کی تعلیم اور اُسوۂ حسنہ رسول اللہ میں الاحسان کے حصول کا طریق کیا ہے؟

۳۔ کیا "الاحسان" کے حصول کے لئے بیعت کرنا لازم ہے، اور اس کے بغیر الاحسان کا حصول ممکن نہیں؟

۴۔ زمانۂ نزولِ قرآن کی عربی زبان قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ میں بیعت کا مفہوم کیا ہے؟ عہدِ جاہلیت
میں اس کی غرض و غایت کیا تھی، اور پھر اسلام میں کیا ہوئی؟

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ صحابہ سے الگ الگ مختلف اوقات میں جو بیعت لی، اُس کا اقرار
اور غرض و غایت کیا تھی؟ اور جو پوری جماعتِ صحابہ سے مختلف اوقات میں لی اُسکے اقرار کے الفاظ اور غرض و غایت کیا تھی؟ کتبِ
حدیث میں انکے نام اور اقرار کے جو الفاظ ہیں وہ کیا ہیں؟ عہدِ خلفائے راشدین میں اس انفرادی اور جماعتی بیعت کا کیا حال رہا؟

۶۔ صوفیائے کرام جو بیعت لیتے ہیں، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ کیا اس کی نظیر سُنت
میں ملتی ہے، اور کیا یہ عہدِ رسالت میں عہدِ خلافتِ راشدہ سے ہی رائج چلی آتی ہے؟ رسالت
کے بعد کے دوروں میں اس کی کیا حالت رہی؟

میں اگرچہ "اصحاب الحدیث" کے مسلک کو راجح سمجھتا ہوں، لیکن "اہلِ حدیث" کے نام سے ملک میں جو
جماعت پائی جاتی ہے، وہ ایک طرف تو الاسلام کی بنیادی اور مرکزی دعوت کی علمبردار نظر
نہیں آتی، اور صرف فقہ کے چند اختلافی مسائل ہی اس کی دعوت کا مرکز ہیں، جن کی طرف وہ سب کو

بلاتی ہے، اور دوسری طرف یہ کہ جن بزرگوں کی طرف اپنی نسبت کرتی ہے، جہاں ان کی زندگی کا حقیقی
مقصد اور ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اس کی نظر سے اوجھل ہو گیا ہے، وہاں ان بزرگوں کی زندگی کا ایک خاص
پہلو تو خاص طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور وہ ان کی زندگی کا روحانی حصہ اور نبوت کی وراثت کا باطنی پہلو ہے،
اور یہ شاید اس لئے لکھ گیا ہوں کہ میرے سامنے ہمیشہ اسی کی نقاب کشائی کی جاتی رہی ہے، کیونکہ میں نے
جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس میں فقہ کے اختلافی مسائل کا آنا چرچا تو نہ تھا، البتہ سید احمد بریلوی ؒ
مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی ؒ سے لیکر مولانا غلام رسول ؒ (ساکن قلعہ میہان سنگھ ضلع گوجرانوالا پنجاب) اُ
العارف باللہ مولانا عبد اللہ غزنوی ؒ اور ان کے صاحبین فرزندوں تک کی کرامات، تزکیۂ نفس، روحانی
بلندی اور انابت الی اللہ کی حکایات، ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ضرور تھیں،

اگرچہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے ہی خاندان کے وہ بزرگ جوان بزرگوں سے مستفیض تھے دیکھے، مگر میرے
ہوش سنبھالنے تک وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اور اب صرف ان کی زبانی حکایتیں سنانے والے
ہی باقی رہ گئے تھے، جو مزے لے لے کر بزرگوں کی کہانیاں سناتے تھے، تاہم اس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن ہی
میں مجھے حضرت امیر المومنین سید احمد شہید اور مولانا شہید سے عقیدت ہو گئی، اور پھر انہی کی عقیدت نے
میرے دل میں مولانا عبد اللہ غزنوی اور ان کے خاندان سے محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا،

میں نے عربی اس لئے پڑھنی شروع کی تھی کہ مجھے قرآن مجید کا فہم نصیب ہو، لیکن افسوس کہ جب
انٹرمیڈیٹ تک پڑھ کر بھی قرآن کی زبان نہ آئی، تو قرآن مجید کیونکر سمجھ میں آئے، قرآن مجید سے مجھے
جو دلچسپی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن فہمی اور مطالبِ قرآن کو حاصل کرنے کے لئے بھی آپ سے ہدایت
اور مشورہ حاصل کروں،

قرآن فہمی کے لئے سامان پیدا کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے "دار المصنفین" پر عائد ہوتی ہے بلکہ جہاں تک جلد
ممکن ہو عملی طور پر ندوۃ العلماء میں اس طریق پر قرآن مجید پڑھانے کا انتظام کیا جائے کہ قرآن فہمی کی راہ آسان ہو جائے

معارف:

مکرم زادکم اللہ علماً وعملاً

السلام علیکم، آپ کا خط پاکر مجھے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ایک مدت کے بعد مجھے ایسے کسی خوش خیال نوجوان سے مکاتبت کا اتفاق ہوا، آپ جس راہ پر ہین، وہ بالکل ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس راہ اور راے کے مطابق آپ کو عقیدہ اور عمل کی سعادت بھی حاصل ہو، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، بحمد اللہ کہ آپنے فقہاء اور محدثین کے درمیان تطبیق کی راہ پالی ہے، تو اب محدثین اور صوفیہ کے درمیان راہ پانا بھی مشکل نہ ہوگا،

محدثین مین بھی صوفیہ گذرے ہین، امام ابن حنبل، عبد اللہ بن مبارک، امام بخاری ومسلم ترمذی سب ہی صوفی حقیقی تھے، اور اصطلاحاً محدثین مین امام قشیری صاحب رسالۂ قشیریہ، ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی طریق قادریہ کے بانی حنبلی المشرب اور ٹھیٹھ محدث تھے، اون کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے، اور آپ پڑھ سکتے ہین، حافظ ابن قیم کی صوفیت پر ان کی کتاب منازل السائرین ومدارج السالکین گواہ ہے، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہین، ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کرسکتے ہین حضرت شاہ ولی اللہ، اور ان کے اخلاف صدق محدثین دہلی بھی صوفی تھے اور ان کی تصانیف موجود ہین، مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سلوک کو صراط مستقیم نام کتاب مین مرتب کیا ہے جو طبع ہوکر بار بار شائع ہوئی ہے، اُس کو بھی آپ پڑھ سکتے ہین،

لیکن بات یہ ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ بحیثیت محدث ہونے کے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات وکمالات کے جاننے، اور دوسرون کو سنانے کا فرض عائد ہے یعنی ان کا یہ فرض نہین کہ وہ یہ بتائین کہ ان حالات وکمالات کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہین، کیونکہ یہ بھی ایک فن ہوگیا ہے، جس طرح فقہ اور کلام اور فرائض وتفسیر وحدیث ایک ایک مستقل فن ہین، اور ان مین سے ہر ایک کی اصطلاحین ہین، اور کی علمی ونظری مشکلات ہین جن کے سمجھنے کے لئے فقہا، مفسرین، محدثین، اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح

فن سلوک کے لئے سالکین کاملین کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس فن کی علمی وعملی دقتون کو رفع کرین،

یہ فن نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لئے ایسے کاملین کی ضرورت ہو جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوۂ نبوی ہون، جو اپنے اعمال، آداب، اخلاق، عادات اور اتباع اوامر ونواہی مین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہون جن کی صحبت مین پرتو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلۂ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت تک منتہی ہو، جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے، جس طرح فن روایت مین اس کا نام سلسلہ ہے،

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظون مین بیان کیا ہے کہ علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے، یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا فیض صحبت نبوی کی تاثیر کا نتیجہ تھا، اون کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اوٹھے، اور تابعین کے فیض صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہوا، یہ تین دور ایسے ہین، جن مین پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہوئی مگر ہر دور مین جماعت، کم اور کیف یعنی تعداد اور حالت مین کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فتنون کا ظہور ہوا، تو تعداد اور بھی کم ہوگئی، اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اب اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاص باستعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری ومریدی رکھدیا ہے، ورنہ قدماء اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے، جیسے امام محمد اور قاضی ابو یوسف کو صاحب امام ابو حنیفہ کہتے ہین، اسی طرح حضرت شبلی وجنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے، جیسے یوں کہتے تھے کہ فلان شخص نے شبلی کی صحبت اوٹھائی ہے، یا جنید کی صحبت اوٹھائی ہے، یہ رسمی بیعت جو ایک مدت سے رواج پذیر ہے، یہ محض رسم وعرف ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ پیر ومرید کا باہمی معاہدہ ہے، کہ پیر اپنے علم کے مطابق تعلیم وتربیت اور خیر خواہی مین کمی نہ کرے گا، اور مرید اسکی تعمیل مین کوتاہی نہ کرے گا، اور اسکی اصل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مین ہے، کہ آپ کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر بیعت لیتے تھے، تاکہ جن سے بیعت لیجائے، ان مین اس معاہدہ کی اہمیت ہو اور وہ اس کی تعمیل مین پوری ہمت صرف کرین،

اور ان کو یہ خیال رہے کہ مین نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے، اس کے خلاف کرنے مین ہچکچاہٹ محسوس ہو، اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، اوس سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اور یہی عقیدت و محبت اس کے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے امور کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے، یہی اس بیعت کا حاصل ہے، شیخ اپنے سلسلہ کے ارادتمندون کو امورِ خیر کی تعلیم دیتا ہے، ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے، اُن کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے، اور سالک کے ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے، مثلاً غرور بری چیز ہے، اب یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے، اور غرور کہتے کس کو ہین اور اوس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے، اور آیا ہمارا فلان کام غرور کی حد مین داخل ہے کہ نہین؟ اس کا جواب نہ تو کوئی محدث دے سکتا ہے، اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کرسکتا ہے، نہ مفسر بتا سکتا ہے، اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کرسکتا ہے، اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے، وہ شیخِ طریقت ہے، جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو، مفسر بھی ہو یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے، نہ ہو تو حرج نہین مگر متبع ضرور ہو، جس نے اپنے بزرگون سے اون کو سیکھا اور جانا ہے، یا اوس نے خود کتاب و سنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے، اور عمل کرکے اس رتبہ پر پہنچ گیا کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک و صاف ہوگیا ہے، اور دوسرون کو بھی اپنی تعلیم و صحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے،

اسی تقریر کو ایک اور نہج سے ذہن نشین کرتا ہون حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک مین دو صفتین تھین یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ (یعنی آپ لوگون کو کتاب الٰہی اور سنتِ نبوی کی تعلیم دیتے ہین) وَیُزَکِّیْهِمْ (یعنی آپ لوگون کو عملاً بھی پاک صاف بنا دیتے ہین انکے رذائل کو دور کرکے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہین) ذاتِ پاک مین یہ دونون صفتین یکجا تھین، صحابہ مین بھی عموماً یہ دونون صفتین یکجا رہین، تابعین مین کچھ کمی رہی، تاہم ان مین بھی خاصی یکجائی رہی، تبع تابعین مین آکر یہ یکجائی ایک محدود حلقہ مین رہ گئی، اس کے بعد سے یہ یکجائی صرف اشخاص مین ہونے لگی، ورنہ عام طور پر حال یہ ہوگیا، کہ یُعَلِّمُهُمْ یعنی زبانی تعلیم کی صفت تو علما اور فقہا نے اختیار کرلی، اور یُزَکِّیْهِمْ یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنالیا، یہی چیز مدرسہ مین چلی گئی، اور دوسری خانقاہون مین، مگر ہر دور مین بحمد اللہ تعالیٰ ایسے کاملین ضرور

ہوتے گئے، جو ان دونون صفتون کے جامع اور حامل تھے، اور وہی درحقیقت وارثِ نبوت تھے، مثلاً ہندوستان مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ان دونون کا جامع تھا، ان کے جانشینون مین بھی یہی جامعیت تھی،

آج کل یہ ہوگیا ہے کہ یُعَلِّمُهُمْ یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علما کا شغل ہے، اور یُزَکِّیْهِمْ یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونون صفتین یکجا ہون،

ہمارے اس بیان مین صوفیہ سے مقصود رسمی صوفی نہین جو درحقیقت دکاندار ہین، بلکہ وہ متبعینِ سنت مراد ہین، جنھون نے علماً و عملاً اس راہ کا کمال حاصل کیا ہے، اور منزلِ مقصود تک پہونچتے ہین، صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی بعض لوگون کو بھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے، جو لفظی بدعت ہے، جس طرح تفسیر اور مفسر، حدیث اور محدث، فقہ و فقیہ کی اصطلاحین ان کے خاص جدید معنون مین صحابہ کے عہد مین مروج نہ تھین، یہ لفظ اوس زمانہ مین اگرچہ بولے گئے ہین، اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہین، مگر ان کے اصطلاحی معنی اون سے مختلف ہین، یہی حال تصوف اور صوفی کا ہے، خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو، یعنی پشمینہ پوشی سے جو زہد کی علامت تھی، یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیاسوفی سے آیا ہو، لفظ کی بحث نہین، تاہم یہ لفظ بے شبہہ بدعت ہے، یعنی بنا ہے، اور باہر سے آیا ہے، مگر اوس کی حقیقت بدعت نہین ہے، قرآن پاک کی اصطلاح مین اوس کو اخلاص کہئے، حدیث کی رو سے اوس کو احسان کا نام دیجئے، اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقوی کے حصول کا فن کہئے،

وَلَا مُشَاحَةَ فِی الْاِصْطِلَاحِ،

یہ امر بے شبہہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون مین غیر جگہون سے چیزین آکر شامل ہوئی ہین، مثلاً فقہ کے لئے اصول فقہ تیار ہوگیا، اور قیاس نے ایک فنی صورت اختیار کرلی، علم کلام و عقائد مین فلسفہ داخل ہوگیا، اور منطقی و فلسفی دلائل و حجج و براہین کا شیوع ہوا، اسی طرح اس علم احسان و اخلاص مین بھی بعض باتین باہر سے آگئی ہین، جن کو خواہ تدابیر کے درجہ مین لاکر مان لیا جائے، یا اُن سے بھی احتیاطاً پرہیز برتا جائے، دونون پہلو ہوسکتے ہین، مگر اس سے اصل فن پر کچھ اثر نہین پڑسکتا، اس فن کی جو اصطلاحین بنی ہین وہ افہام و تفہیم کی سہولت کی

خاطر اختیار کی گئی ہین، اون سے بھڑکنا حماقت ہے، جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے، تو اصطلاحات سے چارہ نہین ہو سکتا

اب اس فن کے مسائل پر آئیے، مسائل اولین یہ ہین :-

رذائل کیا کیا ہین، ان رذائل کی حقیقت از روے قرآن وحدیث کیا ہے، اوران رذائل کی بیخکنی کیونکر ہو، ان کے بالمقابل فضائل کیا ہین، ان کی حقیقت کیا ہے، اوران کے حصول کی تدابیر کیا ہین، ہم غیبت سے کیونکر بچین، ریا سے کیونکر محفوظ رہین، جھوٹ بولنا کیونکر ہم سے چھوٹ جائے، اوراوس کے بالمقابل صدق مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو، توکل، صبر وشکر، استقامت کیسے حاصل ہو، ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے، اوراللہ تعالیٰ کی محبت اوس مین کیسے بیٹھے،

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (خدا کی طرف سب سے کٹ جا) اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (ایسے لوگ جن کو بیع وفروخت وغیرہ دنیا کے اشغال خدا کی یاد سے غافل نہین کرتے) یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہو اوران فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے، نماز مین قنوت یعنی خوف وخشوع کیونکر پیدا ہو، اکل حلال کیا ہے، تقویٰ کیسے ہو، ایمان باللہ تعالیٰ کیونکر قوی ہو، دوام ذکر کیسے حاصل ہو وغیرہ،

یہان تک تو مین نے نفس فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے، اوران غلطیون کو دور کرنا چاہا ہے، جواس کے متعلق عام لوگون مین شائع ہین، اب آپ کا سوال یہ ہے کہ اب یہ کہان ہے، سواوس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر علم وعمل کے ماہر عہد بعہد کم ہوتے جاتے ہین، اسی طرح اس کے بھی بہت کم ہین، علماے غزنویہ امرتسر کی تعریف مین نے بھی سُنی ہے، جو محدث اور صوفی ایک ساتھ تھے، پہلے علماے اہل حدیث مین بھی ایسے لوگ تھے، اوراب بھی ہونگے، میرے علم مین سیالکوٹ کے مولانا ابراہیم صاحب کو ضروران امور سے مناسبت ہے، گومدت سے اُن سے ملاقات نہین ہوئی، علماے احناف مین بھی بحمداللہ لوگ ہین،

قرآن پاک کے متعلق جو کچھ آپنے کہا ہے وہ صحیح ہے، دارالعلوم ندوہ اوردارالمصنفین دونون مین اسکے سلسلے ہین

"س"

عہدِ اسلامی مین تعلیم نسوان کی درسگاہین

جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی.
ممتاز منیشن، خیرت آباد، حیدر آباد دکن

۱۔ تاریخون سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری مین دنیاے اسلام کے مساجد مین مدرسے قائم ہو گئے تھے، اوران مین ابتدائی اوراعلیٰ تعلیم ہوتی تھی، پانچوین صدی ہجری سے علٰحدہ درسگاہین اور جامعات تعمیر ہونے لگے، چنانچہ علامہ شبلیؒ اور مولوی ابو الحسنات صاحب ندوی کے مقالہ سے اسلامی ممالک اور ہندوستان کے مدرسون کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے، لیکن ان مین کسی نسوانی مدرسے کا نام شریک نہین ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نسوانی مدارس موجود ہون، اوران کا تذکرہ تاریخ اسلام کی کتابون مین نہ ہو، لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہوگا، کہ دنیاے اسلام مین علٰحدہ مدارسِ نسوان نہین تھے،

۲۔ جب مدارس نسوان قائم نہین تھے، تو دنیاے اسلام مین تعلیم نسوان کا کیا طریقہ تھا، ابتدائی اوراعلیٰ تعلیم کس طرح ہوتی تھی، یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ اسلام مین عورتون نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہین کی کیونکہ تاریخ اسلام مین بیسیون خواتین کے نام ملتے ہین، جنھون نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم پائی، اور حتیٰ کہ بعض شیوخ وقت کے اساتذہ مین خواتین کے نام شامل ہین،

۳۔ شیخ سعدی کی گلستان کے ساتوین باب کی چوتھی حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مدرسون مین لڑکے اور لڑکیان (جن مین بالغ بھی شامل تھے) ایک ساتھ درس لیا کرتے تھے، نیز الف لیلہ کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ

اس وقت لڑکے اور لڑکیان ایک ساتھ تعلیم لیا کرتی تھین تو کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے، کہ ابتدائی تعلیم جو موجودہ ثانوی تعلیم قرار دیجا سکتی ہے، اسلامی مدارس مین مخلوط ہوتی تھی،

۴- غالباً ہندوستان مین شروع سے اس طرح کی مخلوط تعلیم نہین تھی، بلکہ اکثر محلّون مین شرفا کے مکانون

مین مدرسۂ نسوان قائم ہوتے تھے،

غالباً ان کا نہج تقریباً وہی تھا جس کو مولانا نذیر احمد نے اپنی کتاب مین اصغری خانم کے مدرسے کا حال

لکھا ہے، فقط،

معارف: جواباً عرض ہے:-

جہان تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیون کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانون نے نہین بنائی، اور

نہ مساجد مین اور نہ کتّاب یعنی مکاتب مین لڑکون کے ساتھ وہ نظر آئین، صرف سواحلِ ہند مین ایک ساحلی شہر تھا جہان

ابن بطوطہ کو لڑکیون کے مکاتب نظر آئے، اس کا بیان ہو کہ سواحلِ ہند مین ہنور کے مقام مین ۱۳ مکتب لڑکیون کے تھے،

(جلد ۴ ص ۳۳۲ مصر)

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے، وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسے کا ہے، یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیون

کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلّم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے، جیسا کہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء

وغیرہ کے احوال مین ہے،

بے شبہہ اعلیٰ تعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ مین یہ طریقہ بھی مذکور ہے، کہ مساجد و محافل مین کسی استاد یا

محدث کے املاء مین عورتین بھی حاضر ہو کر سنتی تھین، اور روایت کرتی تھین، بلکہ وہ بھی مجلس مین بیٹھکر املاے حدیث

کرتی تھین، اور مرد تلامذہ و سامعین ان کو سنتے تھے، لیکن پہلی صورت مین عورتون کا انتظامِ نشست الگ تھا، اختلاط

نہ ہوتا تھا، جیسا کہ احادیث مین ہے، کہ عورتون کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا، اور دوسری صورت مین بیچ مین پردہ

حائل ہوتا تھا، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے احوال مین ہے، یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھین تو کشفِ وجہ

بھی کرتی ہون گی، مگر تصریح میری نظر میں نہین ہے،

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیون اور بہوؤن کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے، اور اس کی مثالین

بکثرت ہندوستان مین پہلے بھی تھین، اور اب بھی ہین، اور بعض فقیہات اسلام کے تذکرون مین بھی ہے، بعض اپنے

شوہرون سے حاصل کرتی تھین،

"س"

رجب علی سرور اور اس کی ایک عرضداشت

جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی ایم اے

قائم مقام پرنسپل اسلامیہ کالج بریلی

۱- رجب علی سرور کے مفصل حالات کہان ملین گے؟

۲- انشاے سرور مین ایک عرضداشت ہے جس کی نقل درج ذیل ہے:-

"عرضداشت حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ، عرصہ ہوا خانہ زاد نے نسخۂ فسانۂ

عجائب پیشکش کیا تھا، گو ہدیۂ مور ناتوان پیش سلیمان زمان اور نظر گداگر کے سلطان جہان کو حقیقت نہیں رکھتی مگر نگاہِ مہر

شاہنشاہ زمان مثل خورشید درخشان گل و خار پر یکسان ہوتی ہے، اس امید پہ ہمہ تن چشم و گوش عتبۂ عالی

کا رہا، لیکن ناسازی بخت نے محروم رکھا، اب جمعیت پریشانی اور سامان بے سامانی سے گھبرا کر عرض رسا ہوں

کہ اگر سلک کفش برداروں اور زمرۂ جان نثاروں میں سرفراز پاؤں تو سر خاک افتادہ سے کرخمیدہ فلک پر

چھوؤں، بقدر لیاقت خانہ زاد کو جو کچھ فرمان بندگان دارا دربان بجا آوری اس کو فخر و سعادت

جان کر جان تک دریغ نہیں، الٰہی کوس جود و سخا و غلغلۂ کشورستانی و شہرۂ جہانبانی بلند آوازہ و

گلشن سلطنت شاداب و تر و تازہ باد،

الٰہی در جہان باشی باقبال جوان بخت و جوان دولت جوان سال (ص)

خیال ہے کہ یہ عرضداشت ۱۸۳۲ء اور ۱۸۴۷ء کے درمیان لکھی گئی، اس مین کسی شبہہ کی گنجایش نہین

۱۸۲۸ء مین فسانۂ عجائب ختم ہوئی،

اس عرضداشت کے مخاطب غالباً واجد علی شاہ نہیں، اس لئے کہ وہ ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے، اور ۱۸۴۲ء ہی میں سرور کا تقرر ہوگیا، "عرصہ ہوا خانہ زاد نے نسخہ فسانۂ عجائب پیش کش کیا تھا" اس جملہ سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے، اگر اس عرضداشت کو واجد علی شاہ کی طرف منسوب کیا جائے، تو مذکورۂ بالا فقرہ مہمل ہو جاتا ہے، اس لئے قیاس ہے کہ یہ عرضداشت نصیر الدین حیدر کو لکھی گئی، لیکن پھر محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کو کیوں چھوڑا جائے؟ ان دونوں کو ادب سے خاص لگاؤ تھا؟ کیا یہ قیاسات صحیح ہیں؟

۳۔ تذکرۂ خندۂ گل میں رقعات جعفر زٹلی کا ذکر ہے، یہ رقعات تمثیلی اور فرضی ہیں یا اصلی اور حقیقی؟

معارف: محترمی زاد لطفکم

السلام علیکم:۔ آپکے دونوں گرامی نامے موصول ہوئے، جواباً گذارش ہے:۔

۱۔ رجب علی سرور کے حالات محض جستہ جستہ حسب ذیل ماخذ میں ملتے ہیں تذکرۂ ذکا (اسپرنگر) گلشن بیخار شیفتہ (ص ۱۴۵) سخن شعراء نساخ (ص ۲۱۳) گلستان سخن قادر بخش (ص ۲۶۵) موجودہ دور کی تصنیفات میں سیر المصنفین تنہا حصہ اول (ص ۱۴۹) مقدمۂ انتخاب فسانۂ عجائب مخمور اکبرآبادی، جواہر سخن (ہندستانی اکاڈمی) تاریخ ادب اردو سکسینہ، وغیرہ میں ذکر آیا ہے،

۲۔ فسانۂ عجائب کی تاریخ اختتام تصنیف آپنے ۱۸۲۸ء کہاں سے متعین کی ہے؟ اس کی تاریخ تو خود مصنف نے خاتمۂ تصنیف میں لکھی ہے،

جس نے کہ سنا اس کو جی میں یہ لگا کہنے	یارب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا
تاریخ سرور اس کی منظوم ہوئی جسدم	بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگ دل کا
	۱۲۴۰ھ

۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء

رجب علی سرور کے سوانح میں آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، کہ غازی الدین حیدر کی شان میں اوس نے ایک قصیدہ اس امید میں لکھا کہ شاید وطن کی واپسی کی اجازت مل جائے، پھر نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں وہ فسانۂ عجائب کا مسودہ اور قصیدہ لیکر لکھنو واپس آیا،

اس واقعہ سے آپ کی اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے، کہ انشاء سرور سے جو عرضداشت آپنے نقل کی ہے، وہ واجد علی شاہ کے بجائے نصیر الدین حیدر ہی کے نام ہو، غالباً جو قصیدہ وہ لکھکر لایا تھا، اوس کو اور فسانۂ عجائب کو اوس نے اس کے سامنے پیش کیا ہو، اور کوئی پذیرائی نہ ہونے پر یہ عریضہ بطور یاد دہانی پیش کیا ہو، اور عرصہ ہوا" سے اشارہ اسی پہلی درخواست کی طرف ہو،

نصیر الدین کے نام اس عرضداشت کے ہونے میں یہ قیاس بھی کام آسکتا ہے، کہ تصنیف کے خاتمہ کے بعد ہی مصنف نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو اپنی زندگی خوشگوار بنانے کا ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہو، محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے، اور وہ کتاب کے عہد تصنیف سے دور پڑ جاتا ہے،

۳۔ تذکرۂ خندۂ گل ہمارے یہاں موجود نہیں، کہ آپ کے اس سوال کا مقصود سمجھ سکوں، اگر مدعا جعفر زٹلی کے رسالہ "اخبار دربار معلی" سے ہے، تو اس میں فرضی و تمثیلی وقائع بیان کئے گئے ہیں، شیرانی کی کتاب "پنجاب میں اردو" میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے، نیز اردو شہ پارے میں بھی تذکرہ ہے، مراجعہ فرمائیں،

"س"

وفیات

وفاتِ عیسیٰ

حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی نے جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین خلفا مین تھے، ۵ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۴۳ء کی سہ پہر کو جونپور مین جہان وہ بغرض علاج آئے تھے، ۶۳ برس کی عمر مین داعی اجل کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، خیال تھا کہ مرشد کے بعد ان کی ذات مرجع انام ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ اپنی مصلحتون کو آپ جانتا ہے، اون کا وطن محی الدین پور ضلع الہ آباد تھا، نسباً سادات کرام مین سے اور گھر کے خوشحال زمیندار تھے، غالباً ۱۳۰۱ھ کی پیدایش ہوگی، بچپن ہی سے وہ زاہد و متقی تھے، باپ کے حکم سے انگریزی شروع کی، اور بی اے تک پڑھ کر چھوڑ دیا، اور ایک اسکول میں انگریزی کے ماسٹر، اور آخر مین گورنمنٹ کالج الہ آباد مین عربی کے پروفیسر ہوگئے،

نوجوان ہی تھے کہ الہ آباد و کانپور مین حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا، جو بات سُنی وہ دل مین گھر کرتی چلی گئی، اور روز بروز یہ نشہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا، یہانتک کہ بیعت وارادت سے مشرف ہوکر مجاہدہ و ریاضت مین مصروف ہوئے، آخر تکمیل طریق کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے،

اللہ تعالیٰ کی شان بندہ نوازی نرالی ہے کہ ایک انڈر گریجوایٹ مین جس نے صرف انگریزی ہی کی تعلیم پائی تھی چند روز مین یہ انقلاب پیدا ہوا کہ اوس نے اس عمر مین اگر سرکاری ملازمت کے ساتھ عربی تعلیم پوری کی، اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا، اور ساتھ ہی قرآن پاک حفظ کیا، اور سیرت و صورت مین یہ رنگ پیدا کیا، کہ کوئی دیکھ کر یہ بھی نہین کہہ سکتا تھا کہ

وہ انگریزی کا ایک حرف بھی جانتا ہے،

سلوک و طریقت، مسلک و مشرب، صورت و سیرت حتی کہ نشست و برخاست اور خط و کتابت اور گفتگو مین اپنے مرشد کامل سے اس درجہ مشابہت حاصل کر لی تھی، کہ ان کو دیکھکر یہ کہنا پڑتا تھا ع

تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

وہ نہایت ہی زاہد، عابد، متبعِ سنت، اور مرشد کے اصولون کے سختی سے پابند تھے، اطراف مین حلقہ ارشاد بھی قائم تھا، اپنے مرشد کی متعدد کتابون کے خلاصے اور شروح شائع کئے، جن مین سب سے اہم انفاسِ عیسیٰ ہے جو سلوکِ اشرفی کی معتبر ترین کتابون مین ہے، مردون کے لئے بہشتی زیور کا خلاصہ بہشتی ثمر کے نام سے کیا، جو مکاتب مین رائج ہوئی، تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ مترجم قرآن کے حواشی کے طور پر کیا، جو الہ آباد مین زیر طبع تھا، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کمالات امدادیہ کے طرز پر اونھون نے کمالاتِ اشرفیہ لکھی جو فنِ سلوک و معرفت کے متعلق ان کی استعداد و صلاحیت کی آئینہ دار ہے،

صاحبِ مقامات، مستجاب الدعوات، اور وارداتِ صحیحہ سے سرفراز تھے، کالج سے پنشن لینے کے بعد اپنے گاؤن مین مقیم ہوگئے تھے، اور طالبین کو اپنے رشد و ہدایت سے سیراب کرتے تھے، اسی عالم مین دو برس ہوئے کہ ایک شب تہجد کیلئے اٹھے، تو فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد امسال دوسرا حملہ ہوا، جس کے بعد علاج کے لئے جونپور آئے جہان ۱۱ مارچ کو تیسرا حملہ زبان پر ہوا، اور زبان بند ہوگئی، وفات کے آخری لمحہ مین آخری بار زبان کھلی، اور تین دفعہ بلند آواز سے اللہ کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی،

عجیب بات یہ ہے کہ جونپور مین وہ بالکل مسافرانہ وارد تھے، لیکن حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے متعدد خلفاء مجازین اور صحبت یافتہ بغیر کسی ظاہری داعیہ کے عین وقت پر پہنچ گئے، اونہی میں سے ایک نے یٰسین پڑھی، ایک نے غسل دیا، ایک نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب نے پڑھی، اور دو نے قبر مین اتارا، جونپور ہی مین محلہ رضوی خان کی اکبری مسجد کے عقب مین ۲ بجے رات کو تدفین عمل مین آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ،

"س"

ادبیات

ساحل وطوفان

از جناب روش صدیقی

بوئے گل وفا کو پریشان نہ کر سکے
معذور تھے کہ چاک گریبان نہ کر سکے

دشوار اس قدر تو نہ تھی منزل حیات
یہ اور بات ہے کہ ہم آسان نہ کر سکے

وہ راز اوس نے میرے جنون کو عطا کیا
تمکین ناز بھی جسے پنہان نہ کر سکے

ہر انقلاب مین غم ہستی کی تھی نمود
ہم اعتبار گردش دوران نہ کر سکے

اس درجہ ہم کو غم کی نزاکت کا پاس تھا
درمان تو کیا تصور درمان نہ کر سکے

ایسی ہی ایک لہر کو کہتے ہین زندگی
جو امتیاز ساحل و طوفان نہ کر سکے

شبنم ہے لالہ چمن عشق کے لئے
وہ آرزو جو تجھ کو پشیمان نہ کر سکے

ممنون یک خیال رہی زندگی روش!
کیا خواب تھا کہ جس کو پریشان نہ کر سکے

حشر جذبات

از جناب مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

بیتاب سی اک زندگیٔ عشق بسر کی
اللہ ری اشارت تری دزدیدہ نظر کی

ہر جلوۂ رنگین مین تجھے دیکھا ہے مین نے
کھاتا ہون قسم دلکشی شام و سحر کی

مین اپنی تمناؤن کا حاصل اسے سمجھون
وہ شرم اگر کہہ دے مرے دیدۂ تر کی

جس سجدے سے روشن تھا کبھی خانۂ ہستی
پھر مجھ کو تمنا ہے اُسی سجدۂ در کی

بوسے لیے اُس حسن مکمل کے نظر سے
کرنی نہ تھی جرأت مجھے محفل مین مگر کی

سینے پہ مرے رکھدیا کیا ہاتھ کسی نے
اب دل کی خبر ہے نہ مجھے درد جگر کی

مین اپنی ہی تخیل مین کر لیتا ہون سجدے
تصویر ہے آنکھون مین تری راہگذر کی

اُٹھی نہ مری سمت کبھی بزم طرب مین
ہان مجھ کو شکایت ہے ترے حسن نظر کی

اب کیا کہون وہ قصۂ افسردۂ بے کیف
جس طرح قفس مین ترے اک عمر بسر کی

بے بہرہ ہے تو آگہیٔ کیف اجل سے
تقلید تو کر زندگیٔ برق و شرر کی

تھی عشق مین ثاقب غم کونین کا حاصل
وہ رات جو فرقت مین کبھی مین نے بسر کی

غزل

از جناب شیدا کاشمیری

چمن مین جب بھی نظر منظر بہار آیا
نہ جانے کون تصور مین بار بار آیا

نہ وہ زمانہ، نہ وہ موسم بہار آیا
جو ابتدائے محبت مین ایک بار آیا

فضائے وادیٔ غربت مین اے بہار وطن
"میرے بغیر تجھے کس طرح قرار آیا"

بیان کرون تو بیان ہو سکے نہ محشر تک
وہ لطف جو مجھے ہنگام انتظار آیا

ہم اس کی یاد کو دل سے لگائے بیٹھے ہین
وہ جس کو بھولے سے ہم پر نہ اعتبار آیا

ادائے سجدہ کو جھک جھک گئی جبین نیاز
جو چلتے چلتے کہیں نقش پائے یار آیا

وہ گل ہون مین جو خزان آشنا ہوا نہ کبھی
چمن چمن سے مجھے مژدۂ بہار آیا

کبھی جو تیرے تصور مین کھو گیا شیدا
تو اُس کے لب پہ ترا نام بار بار آیا

مطبوعاتِ جدیدہ

ادبیاتِ فارسی مین ہندوؤن کا حصہ — از جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد للعہ رغیر مجلد عہ، پتہ انجمن ترقی اردو نمبرا، دریا گنج دہلی،

مسلمانون کی بے تعصبی اور علم دوستی کا یہ ناقابلِ تردید کارنامہ ہو کہ اپنے دورِ حکومت مین اونھون نے بلا تفریق قوم ومذہب، ہندوستان مین تعلیم کی عام اشاعت کی، اور اپنی کل محکوم قومون کو ترقی کے یکسان مواقع عطا کئے، یہ انہی کی علم دوستی کا نتیجہ تھا، کہ یہان علم ایک خاص محدود طبقہ کی میراث سے نکل کر کل باشندون کی مشترک ملک بنا، اور مختلف طبقون مین اربابِ کمال پیدا ہوئے، جو علم کی مسند سے لیکر ایوانِ حکومت تک مسلمانون کے شریک وسہیم رہے، اس موضوع پر سبے اول حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف مین "ہندوؤن کی علمی وتعلیمی ترقی مین مسلمانون کی کوشش" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا، جو آج تک اس موضوع پر لکھنے والون کے لئے رہنمائی کا کام دیتا ہے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ایک مفید اور قابلِ قدر اضافہ ہے، لائق مؤلف نے ڈی لٹ کی ڈگری کیلئے انگریزی مین یہ مقالہ لکھا تھا، اسی کا انھون نے ملخص ترجمہ کر دیا ہے، مسلمانون کے دورِ حکومت مین حکومت کی زبان فارسی تھی، اور اہلِ علم واصحابِ قلم اسی زبان مین اپنے کمالات کا اظہار کرتے تھے، لائق مؤلف نے فارسی زبان مین ہندوؤن کی علمی وادبی خدمات کو دکھایا ہے، کتاب پانچ ابواب مین تقسیم ہے، پہلا باب مغلون سے قبل کے حالات مین ہے لیکن یہ محض فارسی سے ہندوؤن کے تعلق کے آغاز پر مشتمل ہو، ان کی اصلی علمی تعلیمی تاریخ مغلون کے عہد سے شروع ہوتی ہے، چنانچہ دوسرے باب مین عہد اکبری، تیسرے مین جہانگیر سے فرخ سیر تک چوتھے مین شاہ عالم اول سے شاہ عالم ثانی تک مغلون کے دورِ انحطاط کے پانچوین مین ان کے آخری دور سے لیکر موجودہ زمانہ تک ہندوؤن کی فارسی تعلیم، ہندو ادبار وشعراء مصنفین ومترجمین اور ان کی تصانیف وتراجم کا تذکرہ اور بعض اہم مصنفات پر تبصرہ ہے، ان کی خطاطی کے بھی چند نمونے دیئے ہین، چھٹے باب مین گذشتہ پانچون ابواب پر جامع تبصرہ ہے، کتاب کے آخر مین مولوی محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے تین مضامین "گوروننک کی فارسی تعلیم" "تنبوی ہنیم بیراگی" اور "بدائع وقائع انندرام مخلص" جو اورنٹیل کالج میگزین مین نکل چکے ہین، بطور ضمیمہ کے شامل کردیئے گئے ہین، ماخذون کی فہرست اور اشخاص وکتب کا انڈکس بھی دیدیا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا کامل استیعاب بہت مشکل ہے، تاہم مصنف نے جہانتک ممکن تھا محنت وتلاش سے کافی مواد کو جمع کر دیا ہے، اور ان کی کامیابی مبارکباد کے لائق ہے،

مُردون کی مسیحائی — از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد درجہ اول للعہ درجہ دوم عہر، ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن،

مذکورۂ بالا کتاب سیرۃ نبوی اور اس کے متعلقات پر مولانا عبد الماجد صاحب کے سترہ مضامین کا مجموعہ ہے، مُردون کی مسیحائی، یتیم کا راج، یتیم کی جیت، دوراستے، ذکرِ رسول کی بلندی، سیرتِ نبوی اور علمائے فرنگ، محبوب سے خطاب، فقرِ محمدی، صابر رسول، خطبۂ نکاح، مسئلۂ طلاق، عتابِ محبوب، میلادی روایات، ناک کا داغ، اعدآء رسول کی ہجو، اُسوۂ حسنہ، تقدیسِ رسول، ان مین سے بیشتر مضامین مستقل اور بعض کسی شبہہ یا استفسار کا جواب ہین، خطبۂ نکاح اور مسئلۂ طلاق کا تعلق گو براہ راست سیرتِ نبوی سے نہین ہے لیکن ان دونون امور پر اُسوۂ رسول اور سُنتِ رسول کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہو اس لئے بے تعلق بھی نہین ہین، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کثرت سے مضامین بلکہ مستقل کتابین لکھی جا چکی ہین، کہ اگر کسی دوسرے موضوع پر اس کا عشر عشیر بھی لکھا جاتا، تو اس مین کوئی نیا پہلو پیش کرنا مشکل تھا لیکن ع

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایان

اس لئے آج بھی اس موضوع کی تازگی کا وہی عالم ہے، اور عقیدت مندون کو سیرت پاک مین ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے گوشے ملتے جاتے ہین، چنانچہ مذکورہ بالا کتاب مین مصنف کی شان امتیاز قائم ہے، اس مین عرب جاہلی کی ضلالت عربون کی بداخلاقیون اور بدکرداریون، ان کے تمرد و سرکشی کے واقعات ظہور اسلام، اور تبلیغی تگ و دو کے حالات اور اسلامی تعلیمات کے انقلاب انگیز اثرات اور اس کے نتائج اور خلق نبوی و اسوۂ نبوی کے مختلف سبق آموز پہلوؤن کو اس موثر اور دلنشین انداز مین پیش کیا گیا ہے، کہ سیرت نبوی کی روح نبوت کی عظمت و جلالت اسلام کی حقانیت و صداقت حق و باطل کی کشمکش، اور حق کی فتحمندی و سربلندی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، یون تو پورا مجموعہ پڑھنے کے لائق ہے، لیکن ذکر رسول کی سربلندی، سیرت نبوی اور علمائے فرنگ، اور صابر رسول خاص طور سے مفید مضامین ہین، یہ مضامین نہ صرف مسلمانون کے بلکہ درس اخلاق، اور تشکیل سیرت کی حیثیت سے غیر مسلمون کے بھی پڑھنے کے لائق ہین، مولانا کی انشاء کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، ان کی انشاپردازی سادے خطوط مین رنگ بھر دیتی ہے، اور یہ تو موضوع ایسا دلآویز ہے کہ قلم مین خود کیف و تواجد پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اس کتاب کا نام کچھ موزون نہین معلوم ہوتا ہے،

نقش حق از جناب پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ:- مدرسۃ البنات جالندھر،

اسلام کی بنیاد تمامتر خدا اور اس کے رسول کی محبت پر ہے، اور اس کی آخری منزل تصوف تو سراسر عشق و محبت ہے، اور اکثر صوفیائے کرام نے اس محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے، لیکن بعض محتاط بزرگ باری تعالیٰ کے متعلق عشق کی اصطلاح کا استعمال اسکی عظمت و تقدیس کے خلاف تصور کرتے ہین، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اسی عشق و محبت کی تشریح کی ہے، اور کلام مجید احادیث نبوی ائمۂ اسلام اور اکابر صوفیہ کے اقوال و صاحبدل شعراء کے کلام کی روشنی مین عشق و ایمان کی حقیقت، اس کے عناصر اور لوازم و شرائط، اسلام و ایمان اور نفاق کی تعریف مومنون اور منافقون کے اوصاف و خصوصیات پر بحث کر کے دکھایا ہے کہ ایمان نام ہے یقین و اذعان اور محبت خدا

و رسول کا اسی کو صوفیائے کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے، اور عشق یا محبت کا یہ درجہ صرف احکام الٰہی کی پابندی اور سنت رسول کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے، یہ بحث نہایت لطیف و دلنشین ہے، اور موضوع کی نزاکت کے باوجود قلم جادۂ مستقیم سے نہین ہٹنے پایا ہے، اس مقالہ مین اسلام کی اصلی روح بیان کر دی گئی ہے جو اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

چند جواہر ریزے از جناب خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، پتہ اقبال اکیڈمی ناجپورہ ظفر منزل لاہور،

خواجہ عبد الحمید صاحب سر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینون مین ہین، ان کو اکثر ان کی خدمت مین حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، انھون نے مختلف صحبتون مین علامۂ مرحوم کی زبان سے جو علمی نکات و لطائف، ان کے سفر اور قیام یورپ کے متفرق حالات اور مختلف قسم کے جو مفید و دلچسپ واقعات سُنے تھے، ان کو کئی سال ہوئے معارف مین "چند جواہر ریزے" کے نام سے مضمون کی شکل مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی صورت مین شائع کر دیا ہے، یہ مختصر جواہر ریزے اقبال مرحوم کے عقیدتمندون کے لئے تبرک کی حیثیت رکھتے ہین،

میلاد شمسی، از شمسی عباد الرحمٰن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۴ر پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی،

عام طور سے جو پرانے طرز کے میلاد نامے رائج ہین ان مین عموماً غیر معتبر روایتین زیادہ ہوتی ہین، جس سے ذکر رسول کا صحیح فائدہ حاصل نہین ہوتا، اس لئے زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے مصنف نے یہ میلاد نامہ لکھا ہے، گو یہ میلاد نامہ بہت مختصر ہے، لیکن اس مین روایات کی صحت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، زبان صاف اور شستہ ہے زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے،

پودون کی کہانی از جناب سعید الدین صاحب صدر شعبۂ نباتیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۸ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۰ر پتہ سب رس کتاب گھر رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن،

یہ مختصر رسالہ فن نباتات پر ہے، اس مین نباتات کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر علمی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور نباتات کی عام خصوصیات غذا اور توانائی حاصل کرنے کے طریقون نائٹروجن کے قدرتی مخزون، اور اس کے حصول اور نباتات کی افزایشِ نسل کے قدرتی نظام کو عام فہم اور سادہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے،

اخلاص مشرق از جناب شفیق جونپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۲ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت معمولی،

قیمت ۳ر پتہ :- مصنف دفتر نظام ادب جونپور،

جناب شفیق جونپوری نواحِ مشرق کے مشہور شاعر ہین، ان کے کلام کے بعض مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، اخلاص مشرق ان کے قصائد حمد و نعت و منقبت اور دوسری مذہبی نظمون کا مجموعہ ہے مصنف گو نئے دور کے شاعر ہین، لیکن فن سے باخبر اور شعر و ادب کے صحیح ذوق شناس ہین، اس لئے ان کی شاعری قدیم و جدید کے امتزاج کا لطیف نمونہ ہے، زبان کی صحت و صفائی اور حلاوت و شیرینی ان کے کلام کا نمایان وصف ہے، یہ تمام نظمین خیالات کی بلندی و پاکیزگی، اور لطف زبان کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہیں، کاغذ اور کتابت و طباعت اتنی خراب ہو کہ اس لطیف شراب کے جام سفالین سے نگاہ کو تکلیف پہنچتی ہے، تعجب ہو کہ مصنف کی شعریت نے اس کو کیونکر گوارا کیا،

کلام حرمان از جناب حرمان خیرآبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر

پتہ :- دفتر مجلس اردو نمبر ۴، جی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور،

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے اس کا بیشتر حصہ غزلون پر مشتمل ہے چند نظمیں اور رباعیان ہین، شاعر کو اس سرزمین سے نسبت ہے جس نے ریاض اور مضطر کو پیدا کیا، اس نسبت کا اثر ان کے کلام مین ظاہر ہے مصنف مین شاعری کی پوری صلاحیت ہے، اور جذبات و خیالات اور زبان و طرزِ ادا کے لحاظ سے کلام خاصہ ہے لیکن ابھی نوشقی کی وجہ سے جا بجا خامیان نظر آتی ہین جن کا ہونا تعجب انگیز نہین اور جو امید ہے کہ مشق و مہارت سے دور ہو جائینگی،

"م"

جلد ۵۳ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۴ء عدد ۵

مضامین